سب سے منفرد اور کثیر الاشاعت

ماہنامہ

مسلمان بچے

لاہور
پاکستان

بچوں کے
اسلامی، اخلاقی، تعلیمی
تربیتی ادب کا ترجمان

بچے تو سبھی ہیں بہت اچھے
مگر سب سے اچھے مسلمان بچے

ربیع الاول ۱۴۴۷ھ بمطابق ستمبر 2025ء

شمارہ: 3 جلد: 19

قیمت فی شمارہ: 70 روپے

سالانہ زرتعاون =/840 روپے

اپنی کہانیاں، مضامین صرف اس پتے پر ارسال فرمائیں

پوسٹ بکس نمبر: 15 جی پی او، بہاولپور

ترسیل رقم اور حصول رسالہ کیلئے:

مکتبہ ابن مبارک

37-حق سٹریٹ
اردو بازار-لاہور

موبائل: 0322-5140485

پبلشر محمد زاہد نے علی پریس لاہور سے چھپوا کر تقسیم کیا

اس شمارے میں

رحمۃ للعالمین ﷺ	منیر احمد	10
شہادت گہ اُلفت	حافظ محمد ادریس	13
حق اور فرض	محمد فیصل علی	19
تعویذ اور تباہی	میمونہ عظیم	22
راز سربستہ	ابوشفاء	31
ہاشم کو ملا خزانہ	محمد مستقیم	49
کنویں کا راز	عمار حسین	53
آداب فرزندی	رومان رشید	61
یکجہتی	محمد اسامہ	67
سلطان ٹیپو شہید رحمہ اللہ	عبدالحفیظ امیر پوری	72
واپسی	دانیال حسن چغتائی	78
غصہ کی بھڑکتی آگ	حفصہ حمیرا	81
آخری ریل	وجیہہ عمران	85
اور وہ لوٹ آئی	آسیہ محمود	75

اس کے علاوہ مستقل سلسلوں کے ساتھ ساتھ اور بہت کچھ۔۔۔۔

فرمان باری تعالیٰ

بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے اس کے لیے جو اللہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرے اور جب مسلمانوں نے کافروں کے لشکر دیکھے بولے یہ ہے وہ جو ہمیں وعدہ دیا تھا اللہ اور اس کے رسول نے اور سچ فرمایا اللہ اور اس کے رسول نے اور اس سے اُنہیں نہ بڑھا مگر ایمان اور اللہ کی رضا پر راضی ہونا۔ (احزاب)

حمد باری تعالیٰ

تیری ہی ذات، اے خدا، وصلِ وجودِ دو سرا
تیرے ہی نور کی جھلک، غازہ روئے ماسوا
تیرے ہی نور سے ملی، فکر و نظر کو روشنی
تیرے ہی نور کی تو ہے، شمس و قمر میں بھی ضیاء
خالق دو جہاں بھی تو، رازق دو جہاں بھی تو
تیرے کرم سے مستفیض، میر و فقیر و انبیاء علیہم السلام
دونوں جہاں کی نعمتیں، ہیں تیرے ہاتھ میں سبھی
تیرے ہی در سے جو ملا، جتنا ملا، جسے ملا
ارض و سماء و بحر و بر، سب میں ہے تو ہی جلوہ گر
تیرا ہی ذکر کو بہ کو، خانہ بہ خانہ، جا بہ جا
حمد تری کرے بیاں، اعظم بے نوا، تو کیا
جب کہ تو بے مثال ہے اور کیف و کم سے ہے ورا

فرمان رسول اکرم ﷺ

غزوۂ احزاب میں سرکارِ دوعالم ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ کفار کی خبر لائیں، لیکن ان سے چھیڑ چھاڑ نہ کریں، وہ آئے تو دیکھا کہ ابوسفیان آگ تاپ رہے ہیں، کمان میں تیر جوڑ لیا اور نشانہ لگانا چاہا، لیکن رسول اللہ ﷺ کا حکم یاد آگیا اور رک گئے۔ (مسلم، کتاب الجہاد والسیر، باب غزوۃ الاحزاب، ص ۹۸۸)

نعت رسول مقبول ﷺ

سرکارِ دو عالم کی ہے ذات مدینے میں
انوار کی ہوتی ہے ، برسات مدینے میں
دربارِ شہِ دیں کی عظمت تو ذرا دیکھو
لیتے ہیں ملائک بھی خیرات مدینے میں
سرکار شفاعت کے دولہا ہیں بنے بیٹھے
عشاق کی جائے گی بارات مدینے میں
ہم گنبد خضریٰ کے ہر وقت قریب رہتے
اے کاش کبھی ہوتے دن رات مدینے میں
مدت سے پریشاں ہیں سرکار بلا لیجے
سنتے ہیں کہ بنتی ہے ہر بات مدینے میں
کچھ پھول درودوں کے کچھ ہار سلاموں کے
اے عبدؔ چلو لے کر سوغات مدینے میں

ایک دعا یاد کیجئے

اَللّٰهُمَّ اَحْيِنِيْ مَا كَانَتِ الْحَيٰوةُ خَيْرًا لِّيْ
وَتَوَفَّنِيْ اِذَا كَانَتِ الْوَفَاةُ خَيْرًا لِّيْ

ترجمہ: ”یا اللہ! مجھے زندہ رکھنا جب تک میرے لیے زندہ رہنا بہتر ہے اور مجھے موت دینا اس وقت جب موت میرے لیے باعثِ خیر ہو۔“

ایک حدیث یاد کیجئے

”قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: رَحِمَ اللّٰهُ رَجُلًا سَمْحًا
اِذَا بَاعَ وَاِذَا اشْتَرٰى وَاِذَا اقْتَضٰى“

ترجمہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو خرید و فروخت اور مطالبہ کے وقت نرمی کرے۔ (صحیح بخاری)

قرآن کا اعلان

پروفیسر انور جمیل

علوم دو جہاں کے سب خزانے کھول کے رکھ دوں
سنو میری کہ میں سات آسماں سے ہو کے آیا ہوں
مجھے چومو لبِ شیریں دہن کی چاشنی لے لو
میں قرآں ہوں نبوت کی زباں سے ہو کے آیا ہوں
پڑھو مجھ کو میں تم کو عظمتوں کے راز بتلاؤں
میں رہبر ہوں مقام لامکاں سے ہو کے آیا ہوں
مجھے سینے لگاؤ پھول اُلفت کے کھلا دوں گا
میں رحمت ہوں خدائے مہرباں سے ہو کے آیا ہوں
سنو مجھ کو اگر حسن تکلم کے ہو شیدائی
خدائے حسن کے حسنِ بیاں سے ہو کے آیا ہوں
اگر چاہو سمندر خیر و حکمت کے عطاء کر دوں
میں اس دانائے رازِ کن فکاں سے ہو کے آیا ہوں
ادھر آؤ تمہیں جنت کے سب منظر دکھاتا ہوں
قسم مولا کی میں باغ جناں سے ہو کے آیا ہوں
مقام و مرتبہ کیا پوچھتے ہو اے جہاں والو
جہاں جبرئیل نہ پہنچے وہاں سے ہو کے آیا ہوں
مجھے انورؔ بساؤ دل میں اس کو نور سے بھر دوں
ارے میں کہکشاؤں کے جہاں سے ہو کے آیا ہوں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

السلام علیکم

پاکستان کا یوم آزادی مبارک ہو۔
اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو سلامت رکھے اور اس کی ہر طرح کے شرور سے حفاظت فرمائے۔
یہ ملک اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے اور نعمت کی قدر دانی لازمی چیز ہے۔اللہ تعالیٰ جب کوئی نعمت عطاء فرماتے ہیں تو بندوں پر اس نعمت سے متعلق کئی ذمہ داریاں لازم ہو جاتی ہیں۔

(1) شکرِ نعمت

یہ ہر نعمت کا لازمی حق بھی ہے اور اس نعمت کی بقاء اور ترقی کا سبب بھی۔شکر کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی ہوتے ہیں اور اس نعمت میں اضافہ فرماتے ہیں جبکہ شکر نہ کرنا یا ناشکری کرنا نعمت سے محرومی کا سبب بن جاتا ہے۔شکر کا سب سے بہترین قرینہ عبادت ہے۔زبان سے الحمدللہ کہا جائے۔دل سے اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر حمد و ثناء کی جائے۔سجدہ شکر بجا لایا جائے یعنی شکرانے کے نوافل ادا کئے جائیں۔یہ سب قرینے عبادت کے ہیں اور ان سے بہترین شکر ادا ہوتا ہے۔نبی کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے آبائی وطن مکۃ المکرمہ پر فتح عطاء فرمادی اور یہ سرزمین آپ ﷺ کو واپس مل گئی تو آپ ﷺ نے چھ یا آٹھ رکعت شکرانے کے نوافل اداء فرمائے۔معلوم ہوا مؤمن کا کام نعمت ملنے پر جشن منانا نہیں شکر بجا لانا ہے۔جشن تو غافل بندے مناتے ہیں خصوصاً جب انداز بھی غافل و محروم کفار والا اختیار کر لیا جائے۔مسلمان کے لئے ایسے جشن کی کوئی گنجائش نہیں۔

اور ہاں! شکر کے لئے نہ کوئی دن مخصوص ہے نہ وقت۔ملک اور آزادی کی نعمت تو ہر وقت ہمیں حاصل ہے اور ہم ہر لمحے اللہ تعالیٰ کی اس عظیم نعمت کا فائدہ اُٹھاتے ہیں تو شکر بھی ہر وقت ادا کرتے رہنا چاہئے۔البتہ یہ بات ضرور ہے کہ خاص ایام اور خاص اوقات میں اس نعمت کی یاد اور احساس بڑھ جاتا ہے جب وہ حاصل ہوئی ہو اس لئے چودہ اگست کا دن ایک یادگار کے طور پر منایا جاتا ہے تو پھر اسے اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والے شکر کے انداز اپنا کر منانا چاہیے۔جانوروں کی طرح شور شرابا، ہلڑ بازی، رقص و موسیقی جیسے غیر شرعی افعال اور گناہ کے کاموں کو آزادی منانے کا انداز بنانا اہل ایمان کی شان تو نہیں ہو سکتا۔ہمارے ہاں اس کام کے لئے جو طریقے اختیار کئے گئے ہیں ذرا سا سوچئے تو دل

شرم سے ڈوب جاتا ہے کہ کتنے بڑے بڑے گناہوں کو ہم نے آزادی کے جشن کا نام دے دیا ہے۔العیاذ باللہ من ذٰلک

(2)نعمت کی قدر

یہ بھی ایک لازمی ذمہ داری ہے۔ناقدری کرنے والے قرآن مجید کی رو سے نعمتوں سے محروم کر دیئے جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اور عذاب کے مستحق بنتے ہیں۔اور کسی بھی نعمت کی سب سے بڑی قدر دانی یہ ہوتی ہے کہ اسے اسی مقصد کے لئے استعمال کیا جائے اور کام میں لایا جائے جس کے لئے وہ حاصل کی گئی۔ہم نے یہ ملک اسلام کے نام پر حاصل کیا۔آزادی کے ساتھ اسلام کے مطابق زندگی گزارنے کے مقصد کی خاطر حاصل کیا۔اس خطہ زمین کو اسلامی نظام کا مرکز بنانے کی نیت سے حاصل کیا۔لاالہ الااللہ کی بنیاد پر حاصل کیا لیکن افسوس کہ مقصد کو فراموش کر دیا گیا بلکہ بالکل اس کے مخالف روش اختیار کرلی گئی۔

یہ اس نعمت کی ناقدری ہے جس پر اللہ تعالیٰ کی پکڑ سے ڈرنا چاہیئے۔کم ازکم اپنی نجی زندگی کی حد تک تو ہر مسلمان آزاد ہے کہ وہ آزادی کی نعمت کے ان مقاصد کو اپنے معاملات اور معاشرت پر لاگو کرے۔اگر انفرادی طور پر عزم کر کے اس راہ کو اپنا لیا جائے تو وہ معاشرہ سدھرنے اور مقصد پر آنے کی راہ بھی ہموار ہو جائے گی۔ان شاءاللہ تعالیٰ

تو آزادی کے مہینے میں یہ دو کام لازمی کریں۔

(1)شریعت کے مطابق شکرادا کریں

(2)مقاصد کی تکمیل میں اپنا حصہ شامل کرنے کا عزم کریں

اللہ تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو۔

والسلام

آپ کا بھائی جان

ابو اسامہ

ماہِ ربیع الاول اسلامی کیلنڈر کا تیسرا اور مبارک مہینہ ہے۔ اس ماہِ مبارک میں، رات کے اندھیرے کے اختتام پر دن کا اُجالا ہونے کے ساتھ، نبی آخر الزماں، حبیبِ کبریاء، امام الانبیاء، آقا محمد ﷺ کی ولادتِ باسعادت اور وصالِ پاک ہوا۔

نبی کریم ﷺ کی ولادتِ باسعادت، اللہ تبارک وتعالیٰ کی تمام نعمتوں سے بڑی نعمت یعنی نعمتِ کبریٰ ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایمان والوں پر انعام فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”بیشک اللہ تبارک وتعالیٰ نے ایمان والوں پر بڑا احسان فرمایا کہ اُن میں اُنہی میں سے ایک رسول ﷺ بھیجا“ (آل عمران:164)

اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کو جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔ رسول کریم ﷺ کائنات پر اللہ تبارک وتعالیٰ کا بہت بڑا فضل اور بہت بڑی رحمت ہیں۔ فضل ورحمت کے شکرانے میں اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ہے:

”اے محبوب! آپ فرمادیں کہ اللہ ہی کا فضل اور اُسی کی رحمت ہے اور چاہیئے کہ اس پر خوشی کریں“ (یونس:58)۔

رسول کریم ﷺ اور قرآنِ مجید، اللہ تبارک وتعالیٰ کا فضل اور رحمت ہیں۔ لہٰذا ربیع الاول شریف میں خصوصی اہتمام کے ساتھ رسول کریم ﷺ کی ولادتِ باسعادت

کی خوشی منانا اور رمضان المبارک کے مہینے میں نزولِ قرآنِ مجید کا جشن منانا، بڑی سعادت کی بات ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالِ خُلق کی طرح، کمالِ خَلق میں بھی اللہ تبارک وتعالیٰ نے کسی مخلوق کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مثل پیدا نہیں کیا اور نہ کرے گا۔

محدثین کرام نے ولادتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت و شان اور صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مختلف ابواب کے تحت نبی الانبیاء، حبیبِ کبریاء، حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن و جمال کو بیان فرمایا ہے۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری میں کتاب المناقب میں ایک باب باندھا ہے: بَابُ صِفَةِ النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس میں تحریر فرماتے ہیں:

حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک سب لوگوں سے زیادہ خوبصورت تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب لوگوں سے زیادہ خوش خُلق تھے۔ نہ بالکل سفید تھے اور نہ گندمی رنگ، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رنگ سرخ وسفید ملا جلا تھا۔''

امام اہلِ سنت، امام احمد رضا فاضل بریلویؒ نے کیا خوب فرمایا کہ بیاض سے مراد وہ سفیدی ہے جس میں سرخی کی جھلک ہو۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

''رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رنگ مبارک سفید (سرخی مائل) اور چمکتا ہوا تھا۔''

علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ رنگ سب رنگوں سے عمدہ ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پسینہ مبارک موتی کی طرح تھا۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلتے تو آگے جھکے ہوئے، زور ڈال کر چلتے۔ میں نے دیباج اور حریر بھی اتنا نرم نہیں پایا جتنا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نورانی ہتھیلی مبارک نرم تھی اور میں نے مشک وعنبر میں وہ خوشبو نہیں پائی جو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسمِ مبارک میں تھی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسن کماحقہ بیان نہیں کرسکتا۔ بس اتنا سمجھ لو کہ میری آنکھ نے نہ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پہلے ایسا حسین دیکھا ہے اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد۔''

محدث دہلوی، شیخ عبدالحق رحمہ اللہ اشعۃ اللمعات میں لکھتے ہیں کہ بعض روایات میں آیا ہے کہ جب آپ ﷺ لوگوں میں کھڑے ہوتے تو سب سے بلند دکھائی دیتے۔ یہ نمایاں پن قامت کی وجہ سے نہیں بلکہ عزت، رفعت، عظمت اور کمالِ حسن کی وجہ سے تھا، جو آپ ﷺ کے معجزات میں سے ایک ہے۔

حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں:

''نبی کریم ﷺ نہ تو بہت دراز قد تھے اور نہ پست قد۔ آپ ﷺ کے سرِ انور پر سیدھے اور کناروں پر خم دار بال مبارک تھے۔ آپ ﷺ سرخی مائل رنگت اور بھری داڑھی شریف کے حامل تھے۔ آپ ﷺ کی ہتھیلیاں مبارک بھاری اور قدم مبارک کامل و ثابت خصوصیات والے تھے۔ جب آپ ﷺ چلتے تو قوت سے چلتے گویا آپ ﷺ بلندی سے اُتر رہے ہیں۔ جب کسی طرف توجہ فرماتے تو پوری توجہ فرماتے۔''

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''میں نے آپ ﷺ کی مثل نہ تو آپ سے پہلے کسی کو دیکھا اور نہ ہی آپ ﷺ کے بعد۔''

آپ ﷺ کے کندھوں کے درمیان ''مہرِ نبوت'' تھی اور آپ ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ آپ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ سخی دل، سب سے زیادہ سچی بات والے، نہایت نرم طبیعت والے اور بہترین برتاؤ کرنے والے تھے۔ جو آپ ﷺ کے ساتھ مل لیتا، آپ ﷺ کو محبوب بنالیتا۔

نبی کریم ﷺ حسن کا مرکز ہیں، جہاں سے حسن تقسیم ہوتا ہے۔ آپ ﷺ کے خدوخالِ مبارک، گفتار و کردار سب ہی بے مثال حسن سے مزین تھے۔ آپ ﷺ کے چہرۂ مبارک پر رعب اور وقار جلوہ گر تھا۔ جو اچانک دیکھتا، مرعوب ہو جاتا، مگر اخلاقِ کریمانہ ایسا تھا کہ چند روز آپ ﷺ کے پاس رہتا تو مانوس ہو جاتا۔ آج بھی جو روضہ اقدس پر حاضر ہوتا ہے، اس کا وہاں سے ہٹنے کو دل نہیں چاہتا۔ حتیٰ کہ وہاں سے آتے ہوئے آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں۔

شہادت گہِ الفت!

حافظ محمد ادریس

سیرت النبی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کا ہر واقعہ اتنا ایمان افروز ہے کہ اسے پڑھتے اور سنتے ہوئے ایک عجیب سکون ملتا ہے۔ آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں، رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور دل گداز ہو جاتے ہیں۔

غزوۂ اُحد میں آنحضور ﷺ کے ستر قیمتی صحابہ نے شہادت کا مرتبہ پایا۔ یہ سبھی نایاب ہیرے اور بے مثال شخصیات تھیں۔ سیرت مطہرہ کے ہر باب میں صحابہ وصحابیات روشنی کے مینار بن کر سامنے آتے ہیں۔ شمع رسالت کے پروانوں سے عشق ایمان کا حصہ ہے۔ بابِ اُحد قربانی وایثار اور عزم واستقامت سے مالا مال ہے۔ اس باب سے چند واقعات برائے تذکیر پیش خدمت ہیں:

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

مشہور صحابی حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے والد حُسیل بن جابر اور ثابت بن وقش رضی اللہ عنہما دونوں کبیر السن بزرگ تھے۔ نبی اکرم ﷺ نے انہیں مدینہ منورہ میں خواتین اور بچوں کے ساتھ رہنے کے لیے چھوڑ دیا تھا، مگر دونوں جہاد میں شرکت کے متمنی تھے۔ انہوں نے آپس میں جہاد کا تذکرہ کیا تو ایک نے دوسرے سے کہا:

''خدا تیرا بھلا کرے، اب ہماری مہلت عمل کتنی رہ گئی ہے۔ بس ہم چند گھڑیوں ہی کے مہمان ہیں، پھر کیوں نہ جہاد میں شرکت کی جائے۔ شاید اللہ تعالیٰ ہمیں شہادت عطاء فرمادیں۔''

دوسرے ساتھی نے بھی اس خیال کی تائید کی، چنانچہ دونوں اپنی تلواریں لے کر میدان جنگ میں جا پہنچے۔ ان کی موجودگی کا کسی کو علم نہ تھا۔ حضرت ثابت بن وقش رضی اللہ عنہ تو کافروں کے ہاتھوں شہید ہو گئے،

مگر حسیل رضی اللہ عنہ مسلمانوں ہی کی تلواروں کا لقمہ بن گئے۔ یہ وہ وقت تھا جب میدان جنگ میں افراتفری پھیل گئی تھی۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے اپنے والد کو پہچان لیا تھا، وہ چیخ چیخ کر کہہ رہے تھے:

"اللہ کے بندو یہ میرے والد ہیں"

مگر شور ہنگامے میں کسی نے ان کی آواز نہ سنی۔ حضرت حسیل رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جب عقدہ کھلا تو مسلمانوں کو بڑی ندامت ہوئی۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت حسیل رضی اللہ عنہ کا خون بہا ادا کرنا چاہا تو حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "یارسول اللہ! میں ان کا خون معاف کرتا ہوں اور جن لوگوں کے ہاتھوں وہ شہید ہوئے ہیں، ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت کی دعاء مانگتا ہوں، بے شک وہ ارحم الراحمین ہے۔"

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے اس ایثار و جذبہ خیر کو دیکھ کر آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے بہت خوش ہوئے اور ان کے حق میں اللہ تعالیٰ سے بھلائی کی دعاء مانگی۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ قبیلہ خزرج کے سرداروں میں سے تھے۔ بڑے مالدار اور فیاض تھے۔ انہیں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بے پناہ محبت تھی۔ اپنے گھر میں آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کی ضیافت کا اہتمام کرتے رہتے تھے۔ جہاد کے میدان میں اپنے مال اور جان سے ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے جنگ بدر میں حصہ لیا تھا اور جنگ اُحد میں بھی دادِ شجاعت دی تھی۔ اُحد میں انہوں نے دشمن کا بڑی بے جگری سے مقابلہ کیا اور بالآخر زخموں کی تاب نہ لا کر گر پڑے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی ان سے یک گونہ محبت اور تعلق خاطر تھا۔ جنگ کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا: "کون ہے جو سعد بن ربیع کی خبر لائے"

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: "یارسول اللہ! میں معلوم کر کے آتا ہوں۔"

انہوں نے لاشوں کے درمیان بہت تلاش کیا، مگر سعد نظر نہ آئے۔ کئی مرتبہ ان کا نام لے کر بھی پکارا، مگر کوئی جواب نہ ملا۔ آخر انہوں نے بلند آواز سے کہا: "سعد! اگر تم

زندہ ہوتو مجھے جواب دو، مجھے رسول اللہ ﷺ نے تمہارا حال معلوم کرنے کے لیے بھیجا ہے۔"

اس وقت حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی جاں لبوں پر تھی۔ رسول اللہ ﷺ کا اسم گرامی سنا تو شمع رسالت کے اس عظیم پروانے نے اپنی ساری قوت مجتمع کر کے نحیف سی آواز میں جواب دیا: "رسول پاک کی خدمت میں میرا اسلام عرض کر دینا اور انصار سے کہہ دینا، اگر آج خدانخواستہ رسول شہید ہو گئے اور تم میں سے کوئی ایک شخص بھی زندہ رہا تو اللہ کو کیا منہ دکھاؤ گے؟ اس کے سامنے تمہاری کوئی معذرت قبول نہیں کی جائے گی۔ یاد کرو ہم نے بیعت عقبہ میں اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ عہد وفا باندھا تھا اور حلف اُٹھایا تھا کہ ان پر اپنی جانیں قربان کر دیں گے۔"

اس شہید وفا کے یہ آخری الفاظ تھے۔ اس کے بعد روح نفس مطمئنہ کی صورت جسدِ خاکی سے پرواز کرگئی۔

حضرت اُبی بن کعب رضی اللہ عنہ نے آنحضور ﷺ کی خدمت میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی یہ گفتگو عرض کی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"اللہ سعد پر اپنی بے پایاں رحمتیں نازل فرمائے، زندگی اور موت ہر حال میں اس نے اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی کا حق ادا کیا ہے۔"

جنگ اُحد کے بعد ایک مرتبہ ایک صحابی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ لیٹے ہوئے تھے اور ان کے سینے پر ایک ننھی سی بچی کھیل رہی تھی۔ وہ اس سے بہت پیار کر رہے تھے اور شفقت سے اسے بار بار چومتے تھے۔ اس صحابی نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے پوچھا: "ابوبکر! یہ بچی کون ہے"

جواب میں فرمایا: "یہ اس شخص کی بیٹی ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے بہت عظیم مقام عطا کیا ہے۔ اس نے اللہ کے رسول پر اپنی جان قربان کر دی اور روز محشر وہ آپ ﷺ کے نقیبوں میں شمار ہوگا۔"

یہ تھا حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کا مقام رفیع۔ ایک مرتبہ خلیفہ رسول کی خدمت

میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی ایک اور بیٹی حاضر ہوئی۔ جناب صدیق رضی اللہ عنہ نے ان کی بڑی عزت وتکریم کی اور ان کے لیے اپنی چادر بچھادی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا: ''یہ بی بی کون ہے؟'' آپ نے فرمایا: ''اے عمر یہ اس شخص کی بیٹی ہے ،جو مجھ سے اور تجھ سے بہتر تھا۔ یہ سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی لخت جگر ہے،جس نے آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی میں جنت الفردوس حاصل کر لی اور ہم تم ابھی تک اس کے منتظر ہیں۔''

حُب الٰہی کے متوالے اور شمع رسالت کے پروانے تاریخ انسانی میں ایسے عظیم الشان سنگ ہائے میل نصب کر گئے ہیں،جو بھٹکے ہوئے قافلوں کو منزل کا پتا دیتے ہیں۔شہدائے اُحد کی فہرست میں سیدنا عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کا نام نامی بھی جگمگا رہا ہے۔ یہ قبیلہ خزرج کی شاخ بنوسلمہ کے سردار تھے۔ جنگ اُحد سے پہلے انہوں نے جہاد میں شریک ہونے کا ارادہ فرمایا،مگر ان کے بیٹوں نے انہیں جنگ پر جانے سے منع کیا۔ان کے چار جوان بیٹے سامان جہاد تیار کر چکے تھے،چونکہ حضرت عمرو بن جموح اس وقت بوڑھے بھی تھے اور ان کے ایک پاؤں میں شدید قسم کا لنگڑا پن بھی تھا،اس لیے ان کے بیٹوں نے ان سے کہا:

''ابا جان آپ گھر پر رہیں۔ ہم آپ کی طرف سے جہاد میں حصہ لیں گے۔آپ تو ویسے بھی معذور ہیں،آپ پر جہاد فرض نہیں۔''

انہوں نے فرمایا: ''نہیں میں تو ضرور جہاد پر جاؤں گا۔میں نے تو قسم کھالی ہے۔''

بالآخر معاملہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا گیا۔حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ''یارسول اللہ! میرے بیٹے مجھے جہاد پر جانے سے روکتے ہیں،خدا کی قسم! مجھے امید ہے کہ جس طرح لنگڑاتا ہوا چل کر میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوجاتا ہوں،اسی طرح میں اپنی اسی ٹانگ کے ساتھ (لنگڑاتا ہوا) جنت میں پہنچ جاؤں گا۔''

انہوں نے اپنا کیس ایسی دردمندی سے پیش کیا کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں جہاد میں شرکت کی اجازت دے دی۔ وہ خوشی خوشی اپنے گھر لوٹے،اپنا سامان حرب لیا اور

دروازے کی دہلیز پر قبلہ رخ ہو کر اللہ سے دعاء مانگی:

"اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ شَهَادَةً فِیْ سَبِیْلِكَ وَلَا تَرُدَّنِیْ خَائِبًا اِلٰی اَهْلِیْ"

"اے اللہ! مجھ کو اپنے راستے میں شہادت عطاء فرمانا اور مجھے ناکام کر کے واپس اپنے اہل و عیال کے پاس نہ بھیجنا۔"

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے خالد اور اپنے غلام سلیم کے ساتھ دشمن سے مردانہ وار لڑے اور شہید ہو گئے۔ ان کی شہادت کے بعد ان کے جسدِ اطہر کو دیکھ کر آنحضور ﷺ نے فرمایا:

"اللہ کے کچھ بندے ایسے ہوتے ہیں، جو کسی بات پر قسم کھالیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کر دیتا ہے۔"

یہ شہید وفا بھی ایسے لوگوں میں سے تھا۔ ایک روایت میں آنحضور ﷺ سے یہ بھی مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

"میں عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ کو جنت میں چلتا ہوا دیکھ رہا ہوں۔ جہاں اس کا پاؤں بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔"

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کے برادر نسبتی حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ بھی اس جنگ میں شہید ہو گئے تھے۔

حضرت عمرو رضی اللہ عنہ کی اہلیہ اور حضرت عبداللہ کی بہن سیدہ ہند بنت عمرو بن حرام رضی اللہ عنہا کا بھی تاریخ اسلامی میں بڑا عظیم مقام ہے۔ جنگ کی خوفناک خبریں مدینہ میں پہنچیں تو کئی خواتین میدانِ جنگ کی طرف چل پڑیں۔ ان میں حضرت ہند بھی تھیں۔ انہیں یکے بعد دیگرے ان کے شوہر عمرو، فرزند خلاد اور بھائی عبداللہ کی

"اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ شَهَادَةً فِیْ سَبِیْلِكَ
وَلَا تَرُدَّنِیْ خَائِبًا اِلٰی اَهْلِیْ"

شہادت کی خبر ملی۔ ہر خبر پر وہ ''اناللہ'' پڑھتیں اور پوچھتیں کہ آنحضورﷺ کا کیا حال ہے۔ جب انہیں بتایا گیا کہ آنحضورﷺ خیریت سے ہیں تو کہا کہ میں انہیں اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتی ہوں۔ جب آنحضورﷺ کو زندہ سلامت دیکھا تو اس عظیم خاتون نے پکار کر کہا:

''كُلُّ مُصِيبَةٍ بَعْدَكَ جَلَلٌ يَا رَسُوْلَ اللهِ''

''یارسول اللہ! آپ سلامت ہیں تو ہر مصیبت ہیچ ہے''

وقت گزر گیا، صدیاں بیت گئیں، مگر یہ الفاظ ہمیشہ تاریخ میں زندہ رہیں گے۔ یہ آج بھی اسی طرح تروتازہ ہیں، جس طرح ادائیگی کے وقت تازہ اور معطر تھے۔

☆☆☆☆☆

بقیہ: کنویں کا راز

یہ فتح ایک معجزہ تھی۔ جب مسلمان مدینہ واپس پہنچے تو مدینہ کے مسلمانوں کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ مدینہ کے وہ لوگ جواب تک ایمان نہ لائے تھے صرف اس وجہ سے اسلام میں داخل ہو گئے کہ انہیں یقین ہو گیا کہ یہ دین سچا اور اسے اللہ کی مدد حاصل ہے۔

مسلمانوں نے قیدیوں کے ساتھ بہت اچھا سلوک کیا کچھ قیدیوں کو فدیہ لے کر چھوڑ دیا گیا اور جو فدیہ دینے کے قابل نہ تھے ان سے کہا گیا کہ جو دس مسلمانوں کو پڑھنا لکھنا سکھا دے، اسے آزاد کر دیا جائے گا۔

میں ایک ایسا یادگار کنواں ہوں جہاں پر مسلمانوں نے باطل کے خلاف پہلی جنگ لڑی اور فتح حاصل کی۔

''میں نے حق کو غلبہ پاتے اور باطل کو بھاگتے دیکھا''

بے شک باطل بھاگنے والا ہے۔

سورہ بنی اسرائیل آیت (۸) قرآن کریم میں اسی معرکہ کا ذکر اس طرح آیا ہے:

ترجمہ: ''بیشک اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر میں تمہاری مدد فرمائی حالانکہ اس وقت تم بہت کمزور تھے لہٰذا تم کو چاہیئے کہ اللہ کی ناشکری سے بچو! امید ہے کہ اب تم شکر گزار بنو گے۔ (سورۃ آل عمران آیت (123)

☆☆☆☆☆

حدیث کہانی

حق اور فرض

محمد فیصل علی

قسط:21

یہ بہت پرانے زمانے کی بات ہے۔اس وقت نہ پولیس ہوتی تھی، نہ عدالتیں اور نہ ہی قید خانے۔معاشرے میں کوئی نظم وضبط نہ تھا۔ہر کوئی اپنے زور بازو سے اپنی حفاظت کرتا تھا۔

اس دور میں جنگلوں اور پہاڑوں میں چوروں کے جتھے ہوا کرتے تھے۔ یہ چور مسافروں پر حملے کرتے، ان کا مال لوٹتے اور کبھی کبھار لوگوں کو قیدی بنا بھی لیتے۔ پھر وہ قیدیوں کو غلاموں کی منڈی میں بیچ دیا کرتے۔اس دور میں انسانوں کی باقاعدہ خرید وفروخت ہوتی تھی۔

ایک دن ایک کمزور، بوڑھا اور غریب آدمی، جو اپنے کام سے جا رہا تھا، چوروں کے ہتھے چڑھ گیا۔انہوں نے اسے پکڑ لیا اور اپنے کیمپ میں لے گئے۔ چوروں کے سردار نے اس سے کہا:

”اگر تم چاہتے ہو کہ ہم تمہیں غلام بنا کر نہ بیچیں تو سو تولے سونا لے آؤ، پھر ہم تمہیں چھوڑ دیں گے“

بوڑھا آدمی غمگین ہو گیا۔اس کے پاس تو کچھ بھی نہ تھا۔نہ سونا، نہ چاندی۔وہ تو روز کی مزدوری کر کے اپنا پیٹ پالتا تھا۔اس نے چوروں کے سامنے منت سماجت کی کہ وہ غریب آدمی ہے،اسے چھوڑ دیا جائے مگر چور نہ مانے۔انہوں نے بوڑھے آدمی سے کہا کہ اپنے گھر خط لکھو اور ان سے سونا

منگوا ؤ۔ مجبور ہو کر بوڑھے نے خط لکھا اور کہا:

''یہ خط میرے گھر والوں تک پہنچا دو!''

خط میں اس نے صرف اتنا لکھا تھا:

''میرے پیارے بیٹے! مجھے چوروں نے قید کر لیا ہے۔ وہ سو تولے سونا مانگ رہے ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ تمہارے پاس اتنا کچھ نہیں۔ میں صرف یہ خط اس لیے لکھ رہا ہوں تا کہ تمہیں معلوم ہو سکے کہ تمہارا باپ کس حال میں ہے۔ میری فکر نہ کرنا، سب گھر والوں کا خیال رکھنا۔''

خط جب بیٹے کے ہاتھ میں پہنچا تو وہ خط پڑھ کر آبدیدہ ہو گیا۔ اس کا نام حارث تھا۔ وہ ایک بہادر اور نیک دل نوجوان تھا۔ باپ کی حالت سن کر اس کا دل تڑپ اٹھا۔ اچانک اس کے ذہن میں رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث آ گئی۔ اسے احساس ہوا کہ باپ بہت بڑی نعمت ہے اور اس کی قدر کرنی چاہیے۔ اس نے خط کو سینے سے لگایا اور کہا:

''ابا جان! میں آپ کو ایسے نہیں چھوڑ سکتا۔''

وہ فوراً جنگل کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستہ کٹھن تھا، لیکن بیٹے کے جذبے مضبوط تھے۔ کئی گھنٹے چلنے کے بعد وہ چوروں کے کیمپ میں پہنچا۔ چوروں نے اسے گھیر لیا، تلواریں نکال لیں۔ لیکن حارث ڈرا نہیں، بلکہ بڑی ہمت سے بولا:

''میں اپنے والد کی رہائی کی بھیک مانگنے نہیں آیا۔ میں جانتا ہوں تم ایسا نہیں کرو گے۔ میں صرف یہ کہنے آیا ہوں کہ میرے والد بوڑھے اور کمزور ہیں۔ انہیں بیچ کر تمہیں کچھ فائدہ نہیں ہو گا۔ مجھے ان کی جگہ قید کر لو، اور پھر مجھے غلاموں کی منڈی میں بیچ دینا۔ میں جوان ہوں، طاقتور ہوں، مجھے بیچ کر تمہیں زیادہ پیسے ملیں گے۔''

چور حیران رہ گئے۔ انہوں نے کبھی ایسی بات نہ سنی تھی نہ دیکھی تھی۔ وہ اسے سردار کے پاس لے گئے۔ جب سردار نے اس نوجوان کی بات سنی تو اس کا دل

جیسے رک سا گیا۔
''کیا؟ تم اپنے والد کی جگہ غلامی قبول کرنے آئے ہو؟''
''جی ہاں!'' حارث نے اعتماد سے جواب دیا
چند لمحے سردار خاموش رہا۔ اس نے حارث کی آنکھوں میں دیکھا، پھر آہستہ سے کہا:
''کیا دنیا میں ایسے بیٹے بھی ہوتے ہیں؟ کیا ایسی قربانی بھی کوئی دیتا ہے؟''
پھر وہ اُٹھا، بوڑھے قیدی کو بلایا اور کہا:''بوڑھے آدمی! تم آزاد ہو اور تمہارا بیٹا بھی۔ ہمیں تم جیسے باپ اور بیٹے نے انسانیت کا مطلب سکھا دیا۔ جاؤ اور خوش رہو!''
بوڑھے کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے، اس نے بیٹے کو گلے سے لگا لیا۔ دونوں نے اللہ کا شکر ادا کیا اور اپنے گھر کی طرف روانہ ہو گئے۔ واپسی پہ حارث زیرلب اسی حدیث مبارکہ کے الفاظ مبارک دہراتا ہوا آرہا تھا جو اس کے ذہن میں اچانک سے آئی تھی وہ حدیث یہ تھی:

لَا يَجْزِي وَلَدٌ وَالِدًا إِلَّا أَنْ يَجِدَهُ مَمْلُوكًا فَيَشْتَرِيَهُ فَيُعْتِقَهُ

''کوئی بیٹا اپنے باپ کا حق ادا نہیں کرسکتا، سوائے اس کے کہ وہ اسے غلام پائے، پھر خرید کر آزاد کر دے۔''
(مسلم شریف، رقم:1510)
بچو! یاد رکھو، ماں باپ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمتوں میں سے ایک ہیں۔ اگر وہ مشکل میں ہوں، تو تمہیں اپنی طاقت، وقت، پیسہ، سب کچھ ان کی خدمت میں لگا دینا چاہیے۔ کیونکہ ان کی دعا تمہیں دنیا و آخرت میں کامیاب بنا سکتی ہے۔
آج کل کے بچے اپنے حقوق یاد رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارے بڑے حقوق ہیں جو والدین نے پورے کرنے ہیں، انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ حقوق کے ساتھ ساتھ فرائض بھی ہوتے ہیں جن کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

”کافی عرصہ ہوگیا ہے، میری طبیعت ٹھیک ہی نہیں ہو رہی۔ ڈاکٹرز سے معائنہ کروا کروا کر تنگ آ گئی ہوں۔“ کائنات نے نقاہت بھرے انداز میں کہا۔

”محترمہ! کوئی خاندانی دشمنی ہے کیا؟“ عامل بابا نے ارشد کے بجائے کائنات سے سوالات کی بوچھاڑ شروع کر دی۔

بابا نے ”بس“ پر زور دیتے ہوئے کائنات کو الجھن وسوچ میں ڈال دیا۔

☆☆☆☆☆

”میں نے تو نمک ٹھیک ڈالا تھا، پھر یہ کیسے ہوگیا؟“ کائنات نمک والی دال چکھتے ہوئے پریشان ہوگئی۔

”کھانے کے لائق ہو تو کھاؤں نا میں

میمونہ عظیم

تعویذ اور تباہی

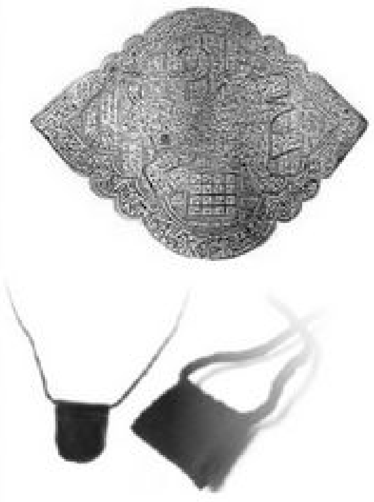

”نہیں! ایسا ویسا تو کچھ نہیں۔“ کائنات سوچ و بچار کے بعد گویا ہوئی۔

”گھریلو لڑائی اور جھگڑے......؟“ عامل کی نظریں کائنات کے چہرے پر تھیں۔

”بس نند سے ان بن ہے، وہ مجھ سے بہت چڑتی ہے اور وہ جب آتی ہے، مجھے اور ساس کو لڑوا دیتی ہے۔“

”بس! پھر سمجھ جاؤ!“ عامل

حلق سے نہیں اُتر رہی۔“ ماں بیٹی کا موضوع آج دال تھا۔

کائنات نے کمرے سے گزرتے ہوئے سارا کچھ سن لیا اور دکھ میں آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆☆☆

”بس! پھر سمجھ جاؤ!“

کمرے میں بیٹھی کائنات کے کانوں میں اچانک عامل بابا کے الفاظ گونجنے لگ

گئے اور وہ غصے میں دھاڑتی ہوئی عائشہ کے کمرے میں چلی گئی۔

"مجھے پتا ہے، یہ تیرا کیا دھرا ہے، نمک تو نے تیز کر دیا تا کہ اماں اور میری لڑائی ہو جائے۔" کائنات اپنی نند پر برس پڑی۔

"پر میں تو......"

"بس چپ ہو جاؤ! اب تم مجھے بیوقوف نہیں بنا سکتی، اور ہاں! بھائی پر جو تعویذ کیے ہیں نا تم نے تا کہ اس کے دل سے میری محبت ختم ہو جائے اور روز مرہ کی لڑائی اور جھگڑے ہوں، یہ بھی میں اچھے سے جانتی ہوں بلکہ میری بیماری کے پیچھے بھی تیرا ہی ہاتھ ہے۔" کائنات نے سوچے سمجھے اور ثبوت کے بغیر محض فسادی عامل کے ایک جملے کا تاثر پکڑا اور کئی الزام تراش دیے۔

عائشہ کی آنکھوں میں آنسو تھے اور وہ حیران پریشان کچھ کہنے کی ہمت نہیں کر پا رہی تھی۔

"میرے اللہ! تعویذ......! میرا کام بھابھی اور اماں کے درمیان لڑائیاں کروانا ہے اور تو اور میں اتنی بری کہ بھابھی کو بیمار بھی ان تعویذ گنڈوں کے ذریعے کروایا ہے۔" عائشہ سر پکڑے سوچنے لگی۔

☆☆☆☆☆

"آپ ٹھیک تھے، سب کام میری نند کا ہے، کل بھی اس نے مجھے اور ساس کو لڑوانے کی کوشش کی مگر میں اب اس کو کامیاب نہیں ہونے دوں گی، اس کا سیاہ چہرہ ظاہر کر کے رہوں گی۔" کائنات طبیعت کا بہانہ کر کے آج بھی عامل بابا کے سامنے تھی اور اپنی فیملی کے سارے احوال سے آگاہ کر رہی تھی۔

"تم کافی سمجھدار ہو بیٹی!" فسادی بابا کائنات کے سر پر ہاتھ رکھ کر اس کی "عقلمندی" کو سراہتا جا رہا تھا۔

"تم یہ تعویذ لو اور اس کو نند کے کمرے کے کہیں کونے میں چھپا دینا، معاملات ٹھیک ہو جائیں گے" عامل نے کپڑے میں لپٹا کالا تعویذ کائنات کو پکڑایا۔

"یہ سونے کی چین اور انگوٹھی ہے، آپ یہ رکھ لیں، سعودیہ کا خالص سونا ہے، امید کرتی ہوں کہ کافی ہو جائے گا۔" کائنات نے ایک تھیلی عامل کے سامنے رکھتے ہوئے کہا اور

وہاں سے چل دی۔

☆☆☆☆☆

بوائل کی ہوئی دال کے پکوڑے بناتے ہوئے دال کو چکھا تو کائنات کو یاد آیا کہ دال میں دو دفعہ نمک ڈال چکی تھی، بوائل دال نمک زدہ تھی اور پھر بھونتے وقت غلطی سے دوبارہ ڈال دیا تھا۔ کائنات کو شرمندگی ہوئی اور وہ پریشانی کے عالم سے وہاں سے اٹھی، تعویذ کو مٹھی میں پکڑے ہوئے کمرے کی طرف بڑھنے لگی تو سسکیوں کی آواز سے قدم رک گئے۔

''میرے اللہ! اگر میں اتنی بری ہوں جتنا بھابھی سمجھتی ہیں تو میں اس دنیا میں جینے کا حق نہیں رکھتی مالک!''

''کیا وہ میری شکایت لگا رہی ہے؟''

کائنات کی آنکھوں میں آنسو تھے مگر معافی مانگنے کی جسارت نہ کر پائی، یوں وہ ہاتھ میں پکڑے تعویذ پر توجہ مرکوز کیے آگے بڑھی۔

تعویذ پر لپٹے ہوئے کالے کپڑے کو اتار کر جو دیکھا تو چکور خانوں کے مابین الٹے سیدھے عدد لکھے ہوئے تھے۔

''ان اعداد اور مبہم الفاظ میں کیا تھا؟ کیا ان کے ذریعے اس نے اپنا ایمان داؤ پر لگایا تھا؟''

یہ سب سوچتے ہوئے کائنات کا سر چکرانے لگا اور پھر یکایک دماغ میں ''رقیہ غیر شرعیہ'' مبہم الفاظ پر مشتمل تعویذ وغیرہ کے متعلق احادیث گردش کرنے لگیں جو کہ کفر عملی یا اعتقادی کو متضمن تھیں۔

کائنات کو سب سمجھ آچکا تھا کہ وہ عامل ٹھرکی مال بٹورنے اور گھر اجاڑنے والا تھا۔ وہ اللہ کے حضور توبہ تائب ہوئی اور اس تعویذ کو پھاڑ کر کچرادان میں ڈال دیا۔

اب کائنات اپنی نند سے معافی مانگنے اور حالات کو بہتر بنانے کے مشن پر تھی اور اپنے ماقبل کی زندگی کو نئے زاویے سے بدل کر نکھارنے کا عزم کر چکی تھی۔

☆☆☆☆☆

کچھ لوگ اللہ کے اتنے پیارے ہوتے ہیں کہ اللہ انہیں کفر کی اندھیروں میں چھوڑ کر آنکھوں پر پردہ نہیں ڈالتا اور ایک دن دماغ کو روشنی سے ضرور منور کر دیتا ہے تاکہ ماقبل کے گناہوں کو ترک کر کے باری تعالیٰ کے برگزیدہ بن جائیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی باتیں

محمد سمیع الرحمن

عالم عرب کے معروف عالم دین صالح احمد شامی نے ملفوظاتِ صحابہ کرامؓ کا ایک مجموعہ ”مواعظ الصحابۃؓ“ کے نام سے شائع کیا ہے۔ اس مجموعے میں سے حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے منتخب ملفوظات ترجمہ وتشریح کے ساتھ پیش خدمت ہیں، جن کا براہِ راست تعلق طلباء اور علماء کرام سے ہے۔

طلباء کی صفات

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ جب نوجوانوں کو طلبِ علم میں مشغول دیکھتے تو خوش ہو کر فرماتے:

”اے حکمت و دانش کے چشمو! جہالت کے اندھیروں میں علم کے روشن چراغو! حصولِ علم کی کوششیں تمہیں مبارک ہوں۔ تمہارا لباس بوسیدہ، لیکن دل تروتازہ رہتا ہے۔ بے مقصد گھومنے پھرنے کے بجائے اپنی اقامت گاہوں تک محدود رہتے ہو، تم ہر قبیلے کے پھول ہو۔“

فوائد:

(1) طلباء کو خوش آمدید کہنا چاہیے۔ اپنے رویوں سے انہیں دل برداشتہ کرنے کی بجائے ان کی نادانی پر صبر وتحمل سے کام لینا چاہیے۔ مولانا فضل امام خیر آبادی ۱۲۴۲ھ/ ۱۸۲۴ء ہندوستان کے معروف عالم گزرے ہیں، ان کے صاحبزادے فضل حق کا ایک واقعہ معروف ہے۔

ان کے پاس بڑی عمر کا ایک پٹھان طالب علم پڑھتا تھا، جو غبی اور کند ذہن تھا،

مولانا کا عنفوانِ شباب تھا، تحمل اور بردباری کی کمی تھی، ایک دن پڑھاتے پڑھاتے تنگ آ کر غصے میں کتاب اس کے سر پر دے ماری، وہ منہ بسورتا ہوا اُن کے والد مولانا فضل امام کے پاس گیا اور شکایت کی، وہ سیدھے درس گاہ میں آئے اور بیٹے کے سر پر اس زور سے تھپڑ رسید کیا کہ دستارِ فضیلت دور جا گری اور غصے میں فرمایا:

"تو تمام عمر بسم اللہ کے گنبد میں رہا، ناز و نعم میں پرورش پائی، جس کے سامنے کتاب رکھ دی، اس نے خاطر داری سے پڑھایا۔ طالب علم کی قدر تو کیا جانے؟ اگر مسافرت اختیار کرتا، بھیک مانگتا، مسجدوں میں قیام کرتا اور طالب علم بنتا تو تجھ کو حقیقت معلوم ہوتی، طالب علم کی قدر ہم سے پوچھو۔" (مسلمان مثالی اساتذہ، مثالی طلباء، ص:۴۱)

اس مادی دور میں مستقبل کے سہانے خوابوں کو فراموش کر کے علومِ نبوت کو اپنے سینے سے لگانے والے مہمانانِ رسول کی عزت افزائی اور ان کے علمی افادے کو اپنا شرف سمجھنا چاہیے۔

(2) طلباء دین کو اپنی ظاہری شکل وصورت کی تزئین میں منہمک ہونے کی بجائے دل کی دنیا کو باطنی گندگی: تکبر، بغض، حسد، خود پسندی، قومی، لسانی، علاقائی تعصب اور عشقِ مجازی سے پاک کرنے اور اخلاقِ حسنہ: تواضع، عاجزی، ادب، اُخوت، ایثار سے سنوارنے کی کوششوں میں لگے رہنا چاہیے

(3) بے مقصد گھومنے پھرنے اور تفریح میں پڑنے کے بجائے طالب علم کو اپنی فکر و نظر اور چلت پھرت کا محور محض "علم" کو بنانا چاہیے۔

حصولِ علم کا مقصد

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"علم دین حاصل کرو، جب حاصل کرلو تو اس پر عمل بھی کرو۔ پھر فرمایا: جاہل کے لیے ایک ہلاکت ہے اگر وہ جاہل ہی رہے اور اللہ چاہے تو اسے علم دے کر اس ہلاکت سے نکال بھی سکتا ہے، مگر جو شخص علم رکھنے کے باوجود عمل نہ کرے اس کے لیے سات مرتبہ ہلاکت ہے۔"

فائدہ: سات کا عدد محض کثرت کے لیے بھی بولا جاتا ہے، اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ اس کے لیے ہلاکتیں ہی ہلاکتیں ہیں، کیونکہ بے عمل ہر لحظے رحمتِ الٰہی سے دور ہوتا جاتا ہے، لہٰذا مقصدِ علم، عمل ہونا چاہیے۔علم برائے علم، یا علم برائے اسناد اور اسناد برائے ذریعۂ معاش اس دور کا بہت بڑا فتنہ ہے۔ تصحیح نیت کے ساتھ تبعاً ان اُمور سے واسطہ پڑے تو کوئی حرج نہیں۔

علم سیکھنے سے آتا ہے

''انسان ماں کے پیٹ سے عالم بن کر پیدا نہیں ہوتا، علم تو سیکھنے سے آتا ہے۔''

فائدہ: علم کسی صاحبِ فضل وعلم کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے سے آتا ہے، کسی کی راہنمائی کے بغیر علمی مدارج طے کرنے کے خواب دیکھنا احمقوں کا کام ہے۔بعض اوقات طالب علم کی خود پسندی اور اس کا مصنوعی وقار اس کے تحصیل علم میں آڑ بن جاتا ہے۔ اسی طرح بعض اوقات علمی خانوادوں کے چشم وچراغ ''پدرم عالم بود'' کے زعم میں مبتلا ہو کر علم وفضل سے محروم رہ جاتے ہیں۔ علمی استفادے کی لذت اس وقت تک حاصل نہیں کی جاسکتی، جب تک طالب علم اپنا مصنوعی وقار اور خود پسندی کا لباس اُتار نہ دے اور اصحابِ علم سے استفادے میں کسی قسم کی جھجھک محسوس نہ کرے۔

علم بھولنے کی وجہ

''جو شخص علم دین کی کوئی چیز جاننے کے بعد بھول جائے، میرے خیال میں یہ اس کے کسی گناہ کا اثر ہے جو اس سے صادر ہوا ہے۔''

فائدہ: بھول پن کے کئی مادی اسباب بھی ہوسکتے ہیں، جو انسان کو مختلف احوال میں لاحق ہوتے رہتے ہیں، لیکن اگر انسان کو دنیاوی دھندے تو نہ بھولنے پائیں، مگر علم دین کے وہ مسائل جنہیں وہ جان چکا تھا، بھول پن کا شکار ہوجائیں تو یقیناً یہ کسی گناہ کا ثمرۂ بد ہے جو اس سے صادر ہوا ہے۔ یہی نسیان کا روحانی سبب ہے، علم دین کی حفاظت گناہوں سے محفوظ ہونے میں ہے۔

علم خشیتِ الٰہی کا نام ہے

''علم خشیت الٰہی کا نام ہے، نہ کہ کثرتِ

روایات کا۔"

فائدہ: ایک صحابیِ رسول کی فراستِ ایمانی کا اندازہ لگائیے۔ خیر القرون میں رہتے ہوئے انہوں نے جس علمی فتنے کی نشاندہی فرمائی ہے، آج اُسے فتنہ ہی نہیں سمجھا جاتا۔

علمِ دین کا حقیقی مقصد یہ ہے کہ معرفتِ الٰہی حاصل ہو، اس معرفت کے نتیجے میں انسان کا رواں رواں خشیتِ الٰہی میں ڈوب کر سراپا اطاعت بن جائے۔ خشیت معرفت سے حاصل ہوتی ہے اور معرفت علم سے، انبیاء کرام کو یہ معرفت سب سے مستند علم "وحی" سے براہِ راست حاصل ہوئی تھی، اس لیے ان میں خشیتِ الٰہی بھی بکمال پائی جاتی ہے۔ اس تعلق علم کی وجہ سے علماء کرام کے متعلق بیان کیا گیا ہے کہ وہ عام لوگوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ سے زیادہ ڈرنے والے ہوتے ہیں:

"اللہ سے اس کے وہی بندے ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔" (فاطر:28)

جو علم انسان کو خشیت سے دو چار کرنے کے بجائے محض جستجو کے لیے مہمیز کا کام دے، اس سے پناہ مانگنی چاہیے۔ ایسا شخص قابلِ رحم ہے جس کی معلومات تو وسیع ہوں، مقالے، مضامین، علمی تحقیقات نوکِ قلم پر ہوں، ہر عہد کی کتابوں سے نام بہ نام واقفیت ہو، مگر دل خشیتِ الٰہی سے خالی ہو۔

ایک اضافی خوبی کے لیے حقیقی مقصد کو نظر انداز کر دینا، پانی کی تلاش میں سراب کے پیچھے جان گنوانے کے مترادف ہے۔

علماء پر شہداء کا رشک

"علم کو اس کے اُٹھ جانے سے قبل ہی حاصل کرلو، اہلِ علم کا فوت ہو جانا ہی علم کا اُٹھ جانا ہے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے، قیامت کے دن اللہ کی راہ میں قتال کرتے ہوئے شہید ہوجانے والے لوگ جب اپنی آنکھوں سے علماء کی قدر و منزلت کا مشاہدہ کریں گے تو حسرت کریں گے کہ کاش! اللہ تعالیٰ انہیں بھی علماء کی صف میں اُٹھاتا، کوئی شخص بھی عالم بن کر پیدا نہیں ہوتا اور علم، علم حاصل کرنے سے آتا ہے۔"

فائدہ: اسلام کی سربلندی اور دفاعِ

اُمت کے لیے جان کا نذرانہ پیش کرنا قابل قدر قربانی ہے، لیکن علماء حق کی قربانیاں اپنے پہلو میں ''افضل الجہاد'' کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس مقدس جماعت کے افراد اُمتِ مسلمہ کی ایمانی دولت کے محافظ بن کر پوری زندگی شیطانی قوتوں سے نبرد آزما رہتے ہیں۔ حق گو عالم دین دشمنوں کی بھیڑ میں رہ کر صبح وشام اپنی آرزوؤں کا خون کر کے گلستانِ اسلام کی آبیاری کرتا رہتا ہے۔ نیز جہاد انسانوں کے حق میں سراپا رحمت بننے کے لیے آئین شریعت کا محتاج ہے۔ گویا جہاد کی بقاء علمِ شریعت کی بقاء پر موقوف ہے، اس سے فضیلتِ علم کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

قرآن کریم عمل کے لیے اُترا ہے، نہ کہ محض پڑھنے کے لیے

''قرآن کریم عمل کی غرض سے نازل کیا گیا ہے، لیکن تم نے اس کے نازل ہونے کا مقصد محض پڑھانا سمجھ لیا ہے۔ عنقریب ایسے لوگ آ کر رہیں گے جو قرآن کریم کے الفاظ کو نیزے کی طرح سیدھا کرنے کو مقصدِ زندگی سمجھ لیں گے، ایسے لوگوں کا شمار تمہارے اچھے لوگوں میں نہیں ہوگا۔ جو صاحبِ علم اپنے علم پر عمل نہ کرے، اس کی مثال اس مریض کی طرح ہے جو مرض کی دوا بیان کرتا ہے، مگر خود اس سے شفا نہیں پاتا، یا اس بھوکے کی طرح ہے جو کھانوں کے ذائقے بیان کرتا ہے، مگر لذتِ دہن سے محروم رہتا ہے۔ ایسے بے عمل کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''تم جو باتیں بناتے ہو وہ تمہارے لیے باعثِ خرابی ہیں۔'' (انبیاء)

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے بعض عارفین کا قول نقل کیا ہے کہ لوگ تجوید کے قواعد میں اس قدر منہمک ہو جاتے ہیں کہ قرآن کریم کی حقیقی روح ''خشیت'' پس پردہ چلی جاتی ہے۔ (الفوز الکبیر ص: ۳۵

اعترافِ جہالت

''جو شخص ہر سوال کا دھڑلے سے جواب دیتا چلا جائے وہ بے وقوف ہے۔ پھر فرمایا: عالم کی ڈھال یہ کلمہ ہے: ''مجھے معلوم نہیں۔'' پھر اگر کسی مسئلے سے ناواقف ہونے کے باوجود اعترافِ جہالت کرنے کی بجائے جواب دینے کی غلطی کر

بیٹھا تو برباد ہوگیا۔" (الاحیاء، ج ۱، ص ۹۱)

فائدہ: کسی مسئلے کا جواب انتہائی سوچ سمجھ کر اور صورتِ مسئلہ کو جان کر دینا چاہیے۔ اس لیے محتاط اہلِ علم پیچیدہ مسائل کا جواب تحریری صورت میں دیتے ہیں، اس میں خطا کا امکان کم ہوتا ہے۔ مسئلے کا جواب کسی قاعدے اور نظیر کو سامنے رکھ کر دینے میں ٹھوکر لگتی ہے، اس لیے جب تک یقینی مسئلہ معلوم نہ ہو، جواب سے گریز کرنا چاہیے، اس سے اعتماد بھی بڑھ جاتا ہے۔

فرمایا:

"فقیہ ہمیشہ نماز میں ہوتا ہے۔ لوگوں نے عرض کیا: کیسے؟ آپ نے فرمایا: "اس کا دل اور اس کی زبان ذکرِ الٰہی سے معطر رہتے ہیں۔"

بقیہ: ولادت نبوی سے بعثت و نبوت تک

اس سے پہلے ایسا انقلاب نہیں دیکھا گیا۔ اس موقع پر ہمیں سیرت کی کوئی معتبر کتاب مکمل پڑھنی چاہیے، بلکہ سیرت کی ایک کتاب ہمیشہ اپنے مطالعے میں رکھنی چاہیے۔ وہ انقلاب کیا تھا، خواجہ الطاف حسین حالی کی زبانی سنیے۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوتِ ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی
نئی اک لگن دل میں سب کے لگا دی
اک آواز میں سوتی بستی جگا دی
پڑا ہر طرف غل یہ پیغامِ حق سے
کہ گونج اٹھے دشت و جبل نامِ حق سے

ابوشفاء

ایمان اور سلامتی کی سرزمین

فتنوں کے دور میں شام کی سرزمین سلامتی اور ایمان کی سرزمین ہوگی۔ حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بَينا أنا نائِمٌ إذ رَأيتُ عَمودَ الكِتابِ احتُمِلَ من تَحتِ رَأسي، فظَنَنتُ أنّه مَذهوبٌ به، فأتبَعتُه بَصَري، فعُمِدَ به إلى الشّامِ، ألَا وإنَّ الإيمانَ حينَ تَقَعُ الفِتَنُ بالشّامِ

ترجمہ: ایک مرتبہ میں سو رہا تھا کہ خواب میں میں نے کتاب (اسلام) کے ستونوں کو دیکھا کہ انہیں میرے سر کے نیچے سے اٹھایا گیا، میں سمجھ گیا کہ اسے لے جایا جا رہا ہے چنانچہ میری نگاہیں اس کا پیچھا کرتی رہیں پھر اسے شام پہنچا دیا گیا۔ یاد رکھو! جس زمانے میں فتنے رونما ہوں گے اس وقت ایمان شام میں ہوگا۔

یعنی قربِ قیامت مسلمانوں کا وطن شام ہوگا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ آخری وقت میں شام کی سرزمین میں امن و ایمان کو استحکام ملے گا تاکہ جب مسلم ممالک میں ہر جگہ فتنہ برپا ہو جائے تو مومن اس کی طرف جا سکیں۔

اللہ کی حفاظت میں

اہلِ شام اللہ کی حفاظت میں رہیں گے اور وہاں کے رہنے والوں کو اللہ فتنے کے

ذریعہ ہلاک نہیں کرے گا۔ حضرت عبداللہ بن حوالہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

سيصيرُ الأمرُ إلى أن تكونوا جُنودًا مجنّدةً جُندٌ بالشّامِ، وجندٌ باليمنِ و جُندٌ بالعراقِ قالَ ابنُ حوالةَ: خِر لي يا رسولَ اللهِ إن أدركتُ ذلِكَ، فقالَ: عليكَ بالشّامِ، فإنّها خيرةُ اللهِ من أرضِهِ، يَجتبي إليها خيرتَهُ من عبادِهِ، فأمّا إن أبيتُم، فعليكُم بيمنِكُم، واسقوا من غُدُرِكُم، فإنّ اللهَ توَكّلَ لي بالشّامِ وأهلِهِ

ترجمہ: عنقریب ایسا وقت آئے گا کہ تم الگ الگ ٹکڑیوں میں بٹ جاؤ گے، ایک ٹکڑی شام میں، ایک یمن میں اور ایک عراق میں"۔ ابن حوالہ نے کہا: اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! مجھے بتائیے اگر میں وہ زمانہ پاؤں تو کس ٹکڑی میں رہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اپنے اوپر شام کو لازم کرلو، کیونکہ شام کا ملک اللہ کی بہترین سر زمین ہے، اللہ اس ملک میں اپنے نیک بندوں کو جمع کرے گا، اگر شام میں نہ رہنا چاہو تو اپنے یمن کو لازم پکڑنا اور اپنے تالابوں سے پانی پلانا کیونکہ اللہ نے مجھ سے شام اور اس کے باشندوں کی حفاظت کی ذمہ داری لی ہے۔

سب سے بہترین لوگ

سرزمین شام کی طرف ہجرت کرنے والے دنیا کے سب سے بہترین لوگ ہوں گے۔ سیدنا عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ستكونُ هجرةٌ بعدَ هجرةٍ، فخِيارُ أهلِ الأرضِ ألزَمُهم

مُهَاجَرَ إبراهيمَ، ويَبْقَى في الأرضِ شِرَارُ أهلِها، تَلْفِظُهُم أَرَضُوهُم ، وتَقْذَرُهُم نَفْسُ اللهِ، وتَحْشُرُهُمُ النارُ مع القِرَدَةِ والخَنَازِيرِ

ترجمہ: عنقریب یکے بعد دیگرے ہجرتیں ہوتی رہیں گی، بہترین اہلِ زمین وہ ہوں گے جو ابراہیم علیہ السلام کی ہجرت گاہ (شام) کو لازم پکڑے رکھیں گے، اس وقت زمین میں بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے، ان کی زمین ان کو پھینک دے گی یعنی وہ ایک ملک سے دوسرے ملک بھاگتے پھریں گے، اللہ تعالیٰ ان سے نفرت کرے گا، آگ ان لوگوں کو بندروں اور خنزیروں کے ساتھ اکٹھا کرے گی۔

یہ بات تو سب کو معلوم ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ارضِ شام کی طرف ہجرت کی تھی۔

عیسیٰ علیہ السلام کا جائے نزول

قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام عادل حکمران کے طور پر آسمان سے اتریں گے اور سرزمین شام میں نازل ہوں گے، سیدنا اوس بن اوس ثقفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یوں فرماتے ہوئے سنا:

ينزل عيسى بن مريم عليهما السلام عند المنارةِ البيضاء شرقي دمشق

قیامت کے قریب عیسیٰ بن مریم علیہما السلام دمشق کے مشرقی جانب سفید مینار کے پاس آسمان سے اتریں گے۔

ایک اور حدیث کے اندر سیدنا نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک صبح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دجال کا ذکر

کرتے ہوئے فرمایا:

إذ بعثَ اللهُ عیسی ابنَ مریمَ، فینزلُ عندَ المَنارةِ البیضاءِ، شَرقيَّ دمشقَ، بینَ مَهْرودتینِ، واضعًا کفَّیهِ علی أجنحةِ ملَکَینِ

ترجمہ: جب اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم علیہما السلام کو معبوث فرمادے گا تو وہ دمشق کے مشرقی جانب سفید مینار کے پاس آسمان سے اتریں گے۔ اس وقت وہ ہلکے زرد رنگ کی دو چادروں میں ملبوس ہوں گے اور اپنے دونوں ہاتھ دو فرشتوں کے بازوؤں پر رکھے ہوئے ہوں گے۔

دجال کا جائے قتل

دجال شام ہی میں ہلاک ہو جائے گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے قیامت کی نشانیاں بیان کرتے ہوئے فرمایا:

الإیمانُ یمانٍ والکفرُ من قبلِ المشرقِ والسَّکینةُ لأهلِ الغنمِ والفخرُ والرِّیاءُ فی الفدّادینَ أهلِ الخیلِ وأهلِ الوبرِ یأتی المسیحُ - أی الدجال- إذا جاءَ دبرَ أحدٍ صرفتِ الملائکةُ وجهَهُ قبلَ الشّامِ وهنالِكَ یهلِكُ

ترجمہ: ایمان یمن کی طرف سے نکلا ہے اور کفر مشرق (پورب) کی طرف سے، سکون واطمینان والی زندگی بکری والوں کی ہے اور فخر و ریاکاری فدادین یعنی گھوڑے اور اونٹ والوں میں ہے، جب مسیح دجال احد کے پیچھے آئے گا تو فرشتے اس کا رخ شام کی طرف پھیر دیں گے اور شام ہی میں وہ ہلاک ہو جائے گا"

مومنوں کا جائے قرار

ارضِ شام مومنوں کا جائے قرار ہوگا،

سلمہ بن نفیل کندی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

ولا يزالُ من أمّتي أمةٌ يقاتِلونَ على الحقِّ، ويزيغُ اللهُ لَهم قُلوبَ أقوامٍ، ويرزقُهم منهم حتّى تقومَ السّاعةُ وحتّى يأتيَ وعدُ اللهِ والخيلُ معقودٌ في نواصيها الخيرُ إلى يومِ القيامَةِ، وَهوَ يوحى إليّ أنّي مقبوضٌ غيرُ ملبّثٍ، وأنتم تتّبعوني أفنادًا يضربُ بعضُكم رقابَ بعضٍ، وعقرُ دارِ المؤمنينَ الشّامُ

ترجمہ: میری امت میں سے ایک جماعت حق کی خاطر ہمیشہ برسرِ پیکار رہے گی اور اللہ تعالیٰ کچھ قوموں کے دلوں کو ان کی خاطر کجی میں مبتلا رکھے گا اور انہیں (اہلِ حق کو) ان ہی (گمراہ لوگوں) کے ذریعہ روزی ملے گی۔ یہ سلسلہ قیامت تک چلتا رہے گا، جب تک اللہ کا وعدہ (متقیوں کے لیے جنت اور مشرکوں و کافروں کے لیے جہنم) پورا نہ ہو جائے گا، قیامت تک گھوڑوں کی پیشانیوں میں بھلائی (خیر) بندھی ہوئی ہے اور مجھے بذریعہ وحی یہ بات بتا دی گئی ہے کہ جلد ہی میرا انتقال ہو جائے گا اور تم لوگ مختلف گروہوں میں بٹ کر میری اتباع (کا دعویٰ) کرو گے اور حال یہ ہو گا کہ سب (اپنے متعلق حق پر ہونے کا دعویٰ کرنے کے باوجود) ایک دوسرے کی گردنیں کاٹ رہے ہوں گے اور مسلمانوں کے گھر کا آنگن شام ہو گا" (جہاں وہ کشادگی سے رہ سکیں گے)

☆☆☆☆☆

حضورِ اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کے حوالے سے مؤرخین اور سیرت نگاروں کی آرا مختلف ہیں، کیوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب دنیا میں تشریف لائے اس وقت تاریخ ضبط کرنے کا اس قدر اہتمام نہیں ہوتا تھا جیسا کہ مابعد کے زمانے میں اسلامی مؤرخین نے شروع کیا، تاہم مشہور یہ ہے کہ بارہ ربیع الاول کو پیدائش ہوئی، البتہ محققین علماءِ کرام کے دو قول ہیں، 8 ربیع الاول یا 9 ربیع الاول، بعض نے ایک کو ترجیح دی ہے، بعض نے دوسرے کو۔

راجح قول کے مطابق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش 8 ربیع الاول بمطابق 20 یا 22 اپریل 571 عیسوی کو ہوئی، (اپریل کی تاریخ کا اختلاف عیسوی تقویم کے اختلاف کا نتیجہ ہے) مشہور سیرت نگار مولانا محمد ادریس کاندھلوی صاحب لکھتے ہیں:

"سرورِ عالم سید وُلدِ آدم محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ ﷺ واقعہ فیل کے پچاس یا پچپن روز کے بعد بتاریخ 8 ربیع الاول یوم دوشنبہ مطابق ماہ اپریل 570 عیسوی مکہ مکرمہ میں صبح صادق کے وقت ابوطالب کے مکان میں پیدا ہوئے۔

ولادت باسعادت کی تاریخ میں مشہور قول تو یہ ہے کہ حضور ﷺ 12 ربیع الاول کو پیدا ہوئے، لیکن جمہور محدثین اور مؤرخین کے نزدیک راجح اور مختار قول یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم 8 ربیع الاول کو پیدا ہوئے۔ عبد اللہ بن عباس اور جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہم سے بھی یہی منقول ہے اور اسی قول کو علامہ قطب الدین قسطلانی نے اختیار کیا ہے"۔ (سیرت المصطفی 1 / 52 کتب خانہ مظہری کراچی پاکستان)

ولادت مبارک کے بعد

ولادت کے ساتویں روز عبد المطلب نے آپ کا عقیقہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے چند مہینے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے والدِ محترم عبد اللہ کی وفات ہوگئی تھی، آپ کے دادا جان عبد المطلب کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب ہے، اور آپ کی والدہ محترمہ آمنہ کی طرف سے آپ کا نام احمد تجویز ہوا۔ ابولہب کی آزاد کردہ باندی ثویبہ رضی اللہ عنہا کے چند دن دودھ پلانے کے بعد شرفاء قریش کی عادت کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی رضاعت میں دے کر ان کے گاؤں میں بھیج دیا گیا، اس وقت آپ ﷺ آٹھ دن کے تھے۔

ولادت کے چوتھے سال شق صدر کا واقعہ پیش آیا، مؤرخین لکھتے ہیں کہ شق صدر کا واقعہ چار بار پیش آیا، ایک: زمانہ طفولیت میں حضرت حلیمہ سعدیہ کے پاس، دوسری بار دس سال کی عمر میں پیش آیا۔ (فتح الباری: 13 / 481) تیسری بار: واقعہ بعثت کے وقت پیش آیا۔ (مسند أبی داوٗد الطیالسی، ص: 215) اور چوتھی بار: واقعہ معراج کے موقع پر۔ (صحیح البخاری، رقم الحدیث: 349)۔ بعض نے پانچویں بار کا شق صدر بھی ذکر کیا ہے؛ لیکن وہ صحیح قول کے مطابق ثابت نہیں ہے۔ (سیرۃ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم: 1 / 76) آپ ﷺ تقریباً چھ سال تک حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کی پرورش میں رہے۔

ولادت کے چھٹے سال آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ نے اپنے میکے

میں ایک ماہ کا قیام کیا، وہاں سے واپسی پر مقام ابواء میں ان کا انتقال ہوا اور وہیں مدفون ہوئیں۔ (شرح المواہب للزرقانی:1 / 160)

ولادت کے ساتویں سال آپ اپنے دادا عبد المطلب کی تربیت میں پروان چڑھتے رہے اور ولادت کے آٹھویں سال دادا محترم کا انتقال ہو گیا، دادا کے انتقال کے بعد آپ اپنے چچا ابو طالب کی پرورش میں آ گئے۔ (طبقات ابن سعد:1 / 74)

اور ولادت کے بارہویں سال آپ نے اپنے چچا کے ساتھ شام کے پہلے تجارتی سفر میں شرکت کی، اسی سفر میں بحیرہ راہب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی پیش گوئی بھی دی۔ (الخصائص الکبری:1 / 84)

اور ولادت کے چودھویں سال یا پندرہویں سال اور بعض روایات کے مطابق بیسویں سال عربوں کی مشہور لڑائی حرب الفجار پیش آئی، اس جنگ میں آپ ﷺ اپنے بعض چچاؤں کے اصرار پر شریک تو ہوئے؛ لیکن، قتال میں حصہ نہیں لیا۔ (الروض الانف:1 / 120)

اور ولادت کے سولھویں سال میں آپ ﷺ نے اہل مکہ کے (پانچ خاندانی معاہدے) حِلف الفضول نامی معاہدے میں شرکت کی۔

اور ولادت کے پچیسویں سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا مال لے کر تجارت کا دوسرا سفر شام کی طرف کیا، سفر سے واپسی پر اس سفر میں پیش آنے والے واقعات، تجارتی نفع اور آپ ﷺ کے اخلاق و واقعات سن کر دو مہینہ اور پچیس روز کے بعد حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ کو نکاح کا پیغام بھجوا کر آپ سے نکاح کر لیا۔ (طبقات ابن سعد:1 / 83)

اور ولادت کے پینتیسویں سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کی ہونے والی تیسری تعمیر کے وقت حجرِ اسود کو اپنے دست اِقدس سے نصب فرما کر خانہ جنگی کے لیے کمر بستہ قبائل قریش کے درمیان باہمی محبت و الفت پیدا فرما دی اور اس کٹھن مرحلے کو بحسن وخوبی انجام تک پہنچایا۔

(سیرت ابن ہشام:1/45)

نبوت سے پہلے تین اہم باتیں

آپ ﷺ بچپن ہی سے شریف النفس ،نرم خو، انسان دوست اور حسن اخلاق کے پیکر تھے، اس دوران جو بھی واقعات پیش آئے وہ سب علم ربانی اور بعثت نبوی کا دیباچہ اور بار رسالت اٹھانے کی تیاری تھی، جن کی تفصیلات کے موتی سیرت کی کتابوں میں بکھرے پڑے ہیں، یہاں تین موتیوں کی چمک بکھیری جاتی ہے۔

کسب حلال

کسب حلال آپ کی ترجیحات کا حصہ تھا، چناں چہ نبوت سے قبل قریش کی بکریاں چراتے اور اس کی مزدوری سے اپنی ضروریات پوری فرماتے تھے اور جب اور بڑے ہوئے تو تجارت جیسا اہم پیشہ اختیار فرمایا اور التاجر الصدوق الامین (امانت دار سچے تاجر) کی صورت میں سامنے آئے۔

صالح معاشرہ کی تشکیل

معاملہ فہمی اور معاشرے کے اختلافات کو ختم کرنے اور اس میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے کی وہ صلاحیت آپ کے اندر تھی کہ بیت اللہ کی تعمیر کے وقت حجر اسود کو اپنی جگہ رکھنے پر قریش کی مختلف جماعتوں میں اختلاف پیدا ہوا اور قریب تھا کہ ناحق خون کی ندیاں بہہ جاتیں، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا فیصلہ فرمایا جس کی سب نے تحسین کی اور اس پر راضی ہو گئے۔

صدق و امانت

شروع ہی سے صداقت و امانت کے ایسے گرویدہ تھے کہ بچپن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم الصادق الامین کے لقب سے یاد کیے جانے لگے اور دوست تو دوست، دشمن بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس وصف کا اقرار کرتے تھے، چناں چہ قبائل قریش نے ایک موقع پر بیک زبان کہا:

”ہم نے بار ہا تجربہ کیا، مگر آپ (ﷺ) کو ہمیشہ سچا پایا۔“

یہ سب قدرت کی جانب سے ایک غیبی تربیت تھی کیوں کہ آپ ﷺ کو آگے چل کر

نبوت و رسالت کے عظیم مقام پر فائز کرنا تھا اور تمام عالم کے لیے مقتدیٰ بنانا تھا اور امت کے لیے آپ ﷺ کی زندگی کو بطورِ اُسوہ حسنہ پیش کرنا تھا۔

بعثت کی تاریخ اور پس منظر

حیات طیبہ کے اتنالیس سالوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کردار ایسا بے مثال رہا کہ اپنے تو اپنے؛ بلکہ غیروں کی زبان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صادق اور امین ہیں۔صدق و امانت کی گواہی غیر معمولی چیز ہے۔ولادت کے چالیسویں سال میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زیادہ وقت غار حرا میں گزارا، یہاں ہی آپ کے سر پر نبوت کا تاج رکھا گیا۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس زمانے میں پیدا ہوئے مکہ بت پرستی کا مرکز تھا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بتوں کے آگے سر نہیں جھکایا۔ دیگر رسوم جاہلیت میں بھی کبھی شرکت نہیں کی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے دنیوی کام تھے، تجارت کا کاروبار تھا، متعدد اولادیں تھیں ،تجارتی اسفار پیش آتے تھے،لیکن دست قدرت کو جو کام لینا تھا وہ ان تمام مشاغل سے بالاتر تھا، اسی لیے دنیا اور دنیا کے تمام کام آپ کو ہیچ نظر آتے تھے۔

مکہ سے تین میل پر ایک غار تھا، جس کو حرا کہتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مہینوں وہاں قیام فرماتے تھے اور مراقبہ کرتے تھے،اس وقت آپ کی یہی عبادت تھی، شارح بخاری علامہ عینیؒ لکھتے ہیں:

”یہ سوال کیا گیا کہ آپ کی عبادت کیا تھی؟ جواب یہ ہے کہ غور و فکر اور عبرت پذیری“ نبوت کا دیباچہ یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اسرار منکشف ہونے شروع ہوئے، جو کچھ آپ خواب میں دیکھتے تھے بعینہ وہی پیش آتا تھا، کچھ دنوں کے بعد اسی غار میں آپ کو فرشتہ غیب نظر آیا، جو آپ سے ”اقرأ“ کہہ رہا تھا۔

مولانا ادریس صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

”اس پر تو تمام محدثین و مؤرخین کا اتفاق ہے کہ بروز دوشنبہ آپ کو نبوت و

رسالت کا خلعت عطا ہوا، لیکن اس میں اختلاف ہے کہ آپ کس مہینہ میں مبعوث ہوئے۔حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں ماہ ربیع الاول کی آٹھ تاریخ کو خلعت نبوت عطا ہوا، اس بنا پر بعثت کے وقت آپ کی عمر شریف ٹھیک چالیس سال کی تھی اور محمد بن اسحاق فرماتے ہیں کہ سترہ رمضان المبارک کو آپ منصب نبوت پر فائز ہوے...... اس اعتبار سے بعثت کے وقت آپ کی عمر شریف چالیس سال اور چھ ماہ کی تھی۔حافظ عسقلانی نے فتح الباری میں اسی قول کو صحیح اور راجح قرار دیا ہے"(سیرت مصطفی :1 / 139)

نبوت و رسالت کے بعد انقلاب

بعثت و نبوت کے کے پہلے سال غارِ حرا میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سورہ علق کی پہلی پانچ آیات نازل ہوئیں اور سلسلہ آگے بڑھتا رہا۔اب سب سے پہلا مرحلہ یہ تھا فرض نبوت ادا کیا جائے،لیکن اس وقت کے حالات اور توحید بے زار ماحول میں یہ کام آسان نہیں تھا،اس لیے آپ نے دور اندیشی سے کام لیا اور اس کے لیے ان لوگوں کا انتخاب فرمایا جو فیض یاب صحبت رہ چکے تھے، جن کو آپ کے اخلاق و عادات کی ایک ایک حرکات وسکنات کا تجربہ ہو چکا تھا ،جو پچھلے تجربوں کی بنا پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقِ دعوی کا قطعی فیصلہ کر سکتے تھے،چناں چہ حضرت خدیجہ، حضرت علی، حضرت زید اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم جیسے جاں نثاروں کے سامنے یہ پُرخطر راز پیش کیا، قدرت نے دست گیری فرمائی، ان سبھوں نے اسلام قبول کیا اور اس طرح دین کی نشرواشاعت کی بنیاد پڑی، کچھ روز خفیہ دعوت و عبادت جاری رہی، پھر ایک وقت آیا آپ نے فاران کی چوٹی سے توحید و رسالت کی آواز بلند فرمائی۔اس راستے کی مصیبتیں برداشت کیں، یہاں تک کہ ترکِ وطن کی نوبت بھی آئی،لیکن اسلام کی دعوت وتبلیغ ،صحابہ کی تعلیم وتربیت اور آنے والی امت کی راہ نمائی کا کام بدستور جاری رہا،اس دوران دنیا نے ایک ایسا انقلاب دیکھا کہ

بقیہ صفحہ 30 پر

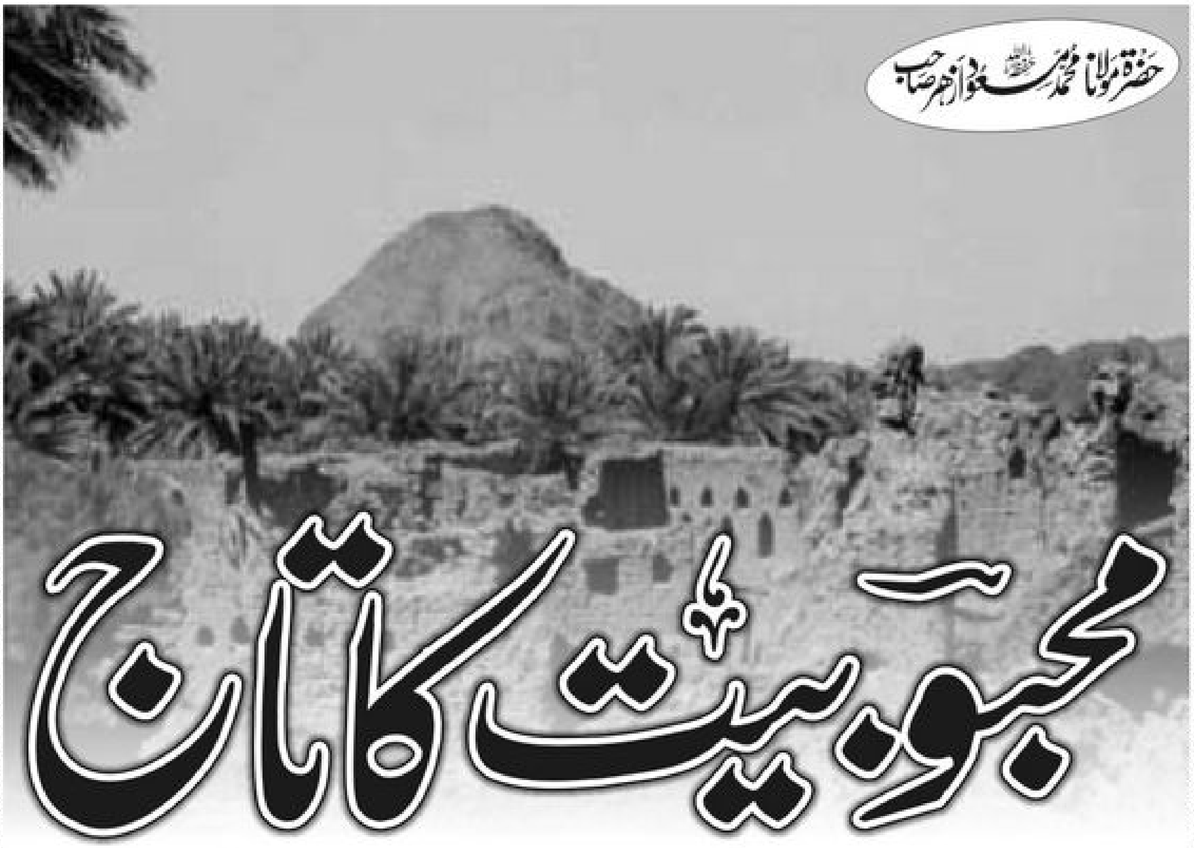

حضرت مولانا محمد مسعود ازہر صاحب

محبوبیت کا تاج

اللہ، اللہ...... عجیب منظر آنکھوں کے سامنے آتے ہیں، حالانکہ آنکھوں نے اُن کو دیکھا نہیں مگر...... سچی خبریں مشاہدے سے بھی زیادہ طاقتور ہوتی ہیں ......وہ دیکھو! سترہ رمضان المبارک، صبح سویرے کا وقت...... جی ہاں! عجیب تاریخ اور عجیب وقت......تاریخ تو وہ جس دن یوم الفرقان برپا ہوا تھا......اور فرشتے غزوہ بدر لڑنے زمین پر اُترے تھے...... اور وقت فجر کی نماز کا جس میں فرشتے خصوصی طور پر نازل ہوتے ہیں...... وہ اپنے گھر سے باوضو نکلے...... پانی کا وضو الگ اور تہجد کے آنسوؤں کا وضو الگ...... جی ہاں پوری طرح باوضو اور نماز کے لیے جگانے کی پرزور، پرسوز آواز...... الصلوٰۃ، الصلوٰۃ...... واہ: الصلوٰۃ الصلوٰۃ...... مسلمانو! اٹھو نماز، نماز ......گھر سے مسجد کی طرف جا رہے ہیں...... اچانک بدبخت، موذی سامنے آیا اور اُس کی تلوار کا وار سر پر اُس جگہ پڑا...... جہاں آقا مدنی ﷺ نے اشارہ دے کر فرمایا تھا کہ اس اُمت کا بدبخت شقی یہاں وار کرے گا...... اس ظالم نے بہت مہنگی تلوار خریدی

تھی اور انتہائی مہلک زہر میں چھ ماہ تک بُجھائی تھی...... اور اس گناہ کا عزم اُس نے کعبہ شریف میں بیٹھ کر کیا تھا...... اور اس عہد میں اُس کے ساتھ دو اور بد بخت شقی بھی تھے...... ایک نے حضرت سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا اور دوسرے نے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا ''حلف'' اٹھایا تھا...... جبکہ اس ابدی بد بخت اور بدنصیب نے حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ پر وار کرنے کی ذمہ داری سنبھالی...... آہ کیسی عظیم بدنصیبی ہے اور کتنی بُری تشکیل...... اور ظلم یہ کہ خود کو بہت نیک، پارسا، حق پرست غیرت مند...... اور متقی سمجھتا تھا...... اور ظاہری فکر بھی بہت اونچے فریب والی کہ...... اسلام کو نعوذ باللہ حضرت علیؓ، حضرت معاویہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ سے خطرہ ہے...... اُن کو ماردو تو اسلام ترقی کرے گا اور جہاد آگے بڑھے گا...... ایک شیطانی خیال جو اُن کا عقیدہ بن چکا تھا...... وہ اُس

قرآن کو پڑھ رہے تھے...... جس قرآن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شان بیان کی گئی ہے...... ایک آیت میں نہیں کئی آیات میں...... کوئی ہے جو حساب کے زور پر حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے فضائل و مناقب کو شمار کر سکے؟...... قرآن پاک ''السابقون الاولون'' کی فضیلت پکارتا ہے...... حضرت علیؓ اس مبارک جماعت کے بھی ہراول تھے...... قرآن مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے والوں کی شان اُبھارتا ہے...... حضرت علی رضی اللہ عنہ اُن میں بھی ایک انوکھی شان کے ساتھ شامل ہیں...... قرآن پاک غزوہ بدر کو بار بار اُجاگر کرتا ہے...... حضرت علیؓ غزوہ بدر کے اسلامی مبارزین میں سے ہیں...... قرآن پاک ''اصحاب حدیبیہ'' پر ایک پوری سورت میں رضوان اور مغفرت کے پھول نچھاور کرتا ہے...... حدیبیہ کی تحریر لکھنے والے حضرت علیؓ تھے...... گذشتہ کالم میں ''سورہ حج'' کی آیات کا حوالہ آپ پڑھ چکے...... اور ایک منظر تو

ایسا ہے کہ اُسے دیکھ کر پتھر بھی محبت سے پگھل جائیں...... غزوۂ خیبر برپا تھا...... سرزمین حجاز میں یہودیوں کی آخری...... اور مضبوط ترین کمین گاہ...... آج بھی کسی یہودی کے سامنے خیبر کا نام لو تو بُری طرح جل بھُن جاتا ہے...... فلسطینی مجاہدین پتھر پھینکتے وقت کبھی یہ نعرہ اُٹھاتے ہیں

خیبر خیبر یا یہود...... جیش محمد سوف یعود

یعنی یہودیو! خیبر کو یاد کرو...... ہاں خیبر کو...... حضرت محمد ﷺ کا لشکر عنقریب لوٹ کر آنے والا ہے......

مسلمانوں نے کئی قلعے فتح کر لیے مگر ایک مرکزی قلعہ بار بار کے حملوں کے باوجود فتح نہ ہوسکا...... تب وہ منظر سجا جو دلوں کو محبت کی روشنی عطاء کرتا ہے...... حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا

''میں کل یہ (اسلامی) جھنڈا اُس شخص کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ خیبر کو فتح کرائے گا...... اور وہ شخص ایسا ہے جو اللہ اور اُس کے رسول سے محبت رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اُس کے رسول اُس سے محبت فرماتے ہیں (بخاری و مسلم)

اللہ اکبر کبیرا...... کتنی عظیم سعادت ہے...... اللہ اور رسول سے محبت کا دعویٰ تو ہر مسلمان کر سکتا ہے...... مگر یہ سعادت کہ اللہ اور رسول بھی اُس سے محبت فرماتے ہیں ...... یقین جانیں بہت ہی عظیم نعمت ہے ...... بغیر مثال اور تمثیل کے سوچیں...... دنیا کے بڑے لوگوں سے کتنے لوگ محبت کا دعویٰ کرتے ہیں؟...... مگر یہ بڑے لوگ اگر کسی کو اپنا ''محبوب'' قرار دے دیں تو اُس کے وارے نیارے ہو جاتے ہیں ...... محبت کرنا بھی مشکل ہے مگر پھر بھی انسان یہ مشکل کام کر لیتا ہے...... لیکن کسی بڑے انسان کا ''محبوب'' بننا کہ وہ بھی آپ سے محبت کرے بہت زیادہ مشکل کام ہے ...... لیلیٰ کے کتنے دعوے دار تھے...... مگر لیلیٰ کی جوابی محبت صرف ''مجنوں'' کو ملی ...... بادشاہوں سے کروڑوں لوگ محبت کرتے ہیں...... مگر یہ بادشاہ اپنے ان

محبین میں سے دو چار کو ہی اپنا ''محبوب'' بناتے ہیں...... اور یہ بھی یاد رکھیں کہ...... محبت ہر کسی کی ''قبول'' نہیں ہوتی...... ایک شخص بادشاہ کی بیٹی سے محبت کرتا ہے...... چلتے اُٹھتے بیٹھتے اُسی کا نام لیتا ہے...... ہر وقت اُسی کے بارے میں سوچتا ہے...... مگر نہ نہاتا ہے نہ دھوتا ہے...... جسم بدبو سے لبریز، دانت اور منہ گٹر کی طرح متعفن ...... کپڑے غلاظت سے رنگین...... ناخن جانوروں سے بڑے اور بالوں میں دنیا بھر کا گند...... بس ہر وقت بادشاہ کی بیٹی کا نام، اُس کا تذکرہ...... اُس کو پانے کی آرزو اور اس سے ملنے کا جنون...... اب اس شخص پر ''محبت'' کے اثرات تو ضرور ظاہر ہوں گے ......محبوبہ کا نام سُن کر وجد اور حال آجانا...... اُسی کے خیال میں ایسا کھو جانا کہ کسی اور کا دھیان نہ رہے اور نہ دائیں بائیں کی خبر ہو...... یہ سب ٹھیک لیکن کیا یہ اپنی محبت کا جواب بھی پا سکتا ہے؟...... اگر یہ بادشاہ کی بیٹی کے لیے رشتہ بھیجے...... اور وہ محبوبہ اپنے

عاشق کو ایک نظر دیکھ لے تو شاید خواب میں بھی ڈر جائے اور اس کا دل نفرت سے بھر جائے...... کیونکہ اس کے عاشق نے محبت کے ایک حصے کو تو پورا کیا...... مگر دوسرا حصہ چھوڑ دیا...... اور وہ ہے خود کو اپنے محبوب کے قابل بنانا...... اللہ، اللہ، اللہ...... مجھے بے ساختہ ریاض حسین شہید یاد آگیا ...... جس نے جان توڑ محنت کر کے خود کو محبوب کی ملاقات کے ''قابل'' بنانے کی کوشش کی...... مسلسل عبادت، محنت اور ریاضت کے اثرات نے اُس کے چہرے کا رنگ اُڑا دیا...... وہ جب اصلاحی خط میں اپنے معمولات لکھتا تو مجھے رشک آتا اور حیرت ہوتی...... جو کتاب بھی اُسے بتائی ...... وہ چند دن میں پڑھ ڈالی...... فضائل جہاد سے فتح الجواد تک...... حیاۃ الصحابہ سے تفسیر عثمانی تک...... بہشتی زیور سے سیرت المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک...... درود شریف کی مہم چلی تو اُن کی مقدار سب سے زیادہ ...... اقامتِ صلوٰۃ میں تو وہ ویسے ہی مضبوط

تھے...... اور انفاق فی سبیل اللہ کے لیے
اُن کا تمام مال اور جان ہر وقت حاضر
تھی...... ہر گناہ سے نفرت اور ہر نیکی کا شوق
...... جہاد کا بڑا درجہ ''رباط'' یعنی پہرے
داری کا ہے...... اور رباط میں بڑا رباط امیر
جہاد کی پہرے داری ہے...... ریاض حسین
نے اپنے امیر کے دروازے پر رباط کا
ڈیرہ ڈالا...... امیر وہاں سے چلا گیا مگر
ریاض حسین نے اپنا مورچہ نہ چھوڑا......
خدمت کے بارے میں حضرت مولانا مفتی
جمیل خان شہیدؒ کا طرز عمل بہت متاثر کُن
تھا...... بے ریا خدمت، بے ایذاء خدمت
...... اکثر لوگوں کی خدمت ریاکاری...... یا
ایذاء رسانی سے برباد ہو جاتی ہے...... مفتی
جمیل خان صاحبؒ کی خدمت ریا اور ایذاء
سے محفوظ تھی...... پھر ریاض حسین شہیدؒ کو
اُن کے نقش قدم پر پایا...... بے ریا
خدمت، بے ایذاء خدمت...... ریاض حسین
کا آخری خط میرے پاس رکھا ہے اس میں
بار بار اس ندامت کا اظہار ہے کہ...... خدمت
کا حق ادا نہیں ہوا معاف کیا جائے......
سبحان اللہ! یہ ایمانی کیفیات اللہ پاک
اپنے خاص بندوں کو عطاء فرماتے ہیں
...... جی ہاں وہ بندے جو اللہ تعالیٰ سے محبت
بھی کرتے ہیں...... اور خود کو اللہ تعالیٰ کی
محبت کے قابل بھی بناتے ہیں...... یہ
موضوع طویل، بات زیادہ نہ پھسل جائے
ہم واپس غزوہ خیبر کے منظر کی طرف چلتے
ہیں...... ذرا دل کی آنکھوں سے پیارے
آقا مدنی ﷺ کے مبارک الفاظ
دیکھیں......

يُحِبُّ اللهَ وَ رَسُوْلَهُ وَيُحِبُّهُ اللهُ وَرَسُوْلُه

''یعنی کل جس شخص کو جھنڈا عطاء کیا
جائے گا...... وہ اللہ اور رسول سے محبت رکھتا
ہے...... اور اللہ اور رسول اُس سے محبت
فرماتے ہیں......

ظاہر بات ہے .بہت غیر معمولی......
اور اونچی بشارت تھی...... حضرات صحابہ کرامؓ
تو اسی کی خاطر سب کچھ قربان کر چکے تھے

اور کر رہے تھے...... چنانچہ
"كُلُّهُمْ يَرْجُوْنَ اَنْ يُّعْطَاهَا"
سب کی تمنا اور امید جاگ اُٹھی کہ یہ واضح بشارت اور سعادت مجھے نصیب ہو...... آپ کو معلوم ہے کون یہ "عظمت" لُوٹ گیا اور کس کے سر پر "محبوبیت" کا یہ تاج سجا؟ ...... جی ہاں حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ...... اور اُس دن آپ کی آنکھوں کو بھی حضرت آقا مدنی ﷺ کا لعاب مبارک نصیب ہوا...... اور آگے دیکھیں صحیح مسلم کی روایت ہے...... حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں......

قسم ہے اُس ذات (یعنی اللہ تعالیٰ) کی جو دانے کو پھاڑ کر پودا نکالتا ہے اور جس نے جانداروں کو پیدا فرمایا کہ...... نبی اُمّی ﷺ نے مجھے خاص طور سے فرمایا کہ مجھ سے (یعنی حضرت علیؓ) سے صرف وہی محبت کرے گا جو (سچا) مؤمن ہوگا اور مجھ سے صرف وہی شخص بغض رکھے گا جو منافق ہوگا...... (مسلم)

اللہ تعالیٰ "نفاق" سے ہم سب کی حفاظت فرمائے...... امید یہ ہے کہ آپ سب صبح شام کم از کم سات بار نفاق سے پناہ کی دعا ضرور مانگتے ہوں گے...... جیسا کہ پچھلی ایک مجلس میں تاکید کے ساتھ عرض کیا گیا تھا...... ☆ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ النِّفَاقِ...... یا ☆ اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَ سُوْءِ الْاَخْلَاقِ...... اچھے دنوں کی بات ہے کہ ایک بار اپنے شیخ حضرت مفتی ولی حسن صاحب نور اللہ مرقدہ کے ساتھ ...... کراچی سے لاہور، رائے ونڈ اور شیخوپورہ کا سفر ملا...... حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ نور اللہ مرقدہ...... کی صحبت بھی اس سفر میں حاصل رہی...... سفر کئی دن کا تھا تو اچھی باتیں بھی دل بھر کر سننے کو ملیں...... ایک بار حضرت لدھیانوی شہیدؒ نے فرمایا...... ایک رات میں نے اللہ تعالیٰ سے بہت آہ وزاری کے ساتھ دعاء کی...... یا اللہ مجھے میرے سب سے بڑے گناہ کا پتہ

چل جائے اور اُس سے توبہ کی توفیق بھی مل جائے...... بار بار یہی دعاء، یہی التجا...... تب دل میں آیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت دل میں کم ہے...... جی ہاں جو اُن کا مقام ہے اور جس قدر اُن سے محبت مطلوب ہے اس میں کمی ہے...... غور کیا تو بات ٹھیک نکلی...... کچھ تاریخ اور کچھ بعض کتابوں کی نحوست سے واقعی دل میں یہ عیب پیدا ہو چلا تھا...... میں نے فوراً سچے دل سے توبہ کی اور پھر میرے دل میں حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی محبت بڑھتی گئی...... بڑھتی گئی......

یہاں پر ایک اور بات چھیڑنے پر دل مچل رہا ہے کہ...... محبت سے کیا کیا اور کیسے کیسے ملتا ہے؟...... اور اگر کسی سے سچی محبت ہو جائے تو اس کا فیض دل میں کس طرح سے اُترتا ہے؟...... مگر چھوڑیں اس بات کو...... کوفہ کا وہ منظر...... سترہ رمضان المبارک کا دن صبح کا وقت...... اور مسجد کا ہی راستہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی داڑھی مبارک خون سے تر...... قاتل پکڑا گیا...... اُسے ذرہ بھر ندامت نہ تھی...... منافق خارجی یہ سمجھتا تھا کہ اُس نے اسلام اور مسلمانوں کی بڑی خدمت کی ہے...... حالانکہ اُس کے اس ظلم سے زمین بھی کانپ اُٹھی تھی......

ہاں! حضرت علی رضی اللہ عنہ کی محبت سے محروم لوگ ہمیشہ دین کا لبادہ ہی اوڑھتے ہیں...... اور اپنی اس بدنصیبی کو ''حق پرستی'' سمجھتے ہیں...... کلمہ طیبہ کی محنت جاری ہے...... جہاد اور اقامتِ صلوٰۃ کی آواز لگ رہی ہے...... لاالہ الااللہ محمد رسول اللہ...... کے مبارک انوارات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ...... ہمارے دل حضرات صحابہ کرامؓ کی محبت سے لبریز ہو جائیں......

لا اله الا الله. لا اله الا الله. لا اله الا الله محمد رسول الله

اللهم صل علیٰ سیدنا محمد واله صحبه وبارك وسلم تسلیماً کثیراً کثیرا

لا اله الا الله. لا اله الا الله. لا اله الا الله محمد رسول الله

ہاشم کو ملا خزانہ

محمد مستقیم

اس کا نام اُسید تھا۔ وہ سات سال کا تھا۔ وہ اسکول بھی جاتا تھا اور اسکول سے واپسی پر مسجد بھی جایا کرتا تھا۔ مسجد میں قاری صاحب سب بچوں کو عربی قاعدہ پڑھاتے تھے۔ جو بچے عربی قاعدہ پڑھ لیتے، وہ قرآنِ مجید فر فر پڑھنے لگتے تھے۔

اُسید اور اس کے ہم عمر دوست اس قاعدے کو جادوئی قاعدہ کہتے تھے۔ ابھی چھ سات ماہ پہلے ہی کی بات تھی کہ ان کے دوست زائر نے قاعدہ مکمل پڑھ لیا تھا۔ بس پھر کیا تھا، اس کو قرآنِ مجید کی آیتیں خود سے آنے لگیں۔ پہلے پارے کے بعد تو اس کا سبق کئی کئی صفحات پر محیط ہو گیا تھا۔ سب کہتے تھے کہ زائر نے قاعدے پر خوب محنت کی ہے اور اب اسے جوڑ کرنا آ گیا ہے، یوں وہ آیاتِ قرآنیہ کا جوڑ کر کے خود سے پڑھتا جا رہا تھا۔ اسی دن سے اُسید بھی ایک لگن کے ساتھ قاعدہ پڑھنے لگا تھا۔

اچھا تو بچو! آج آپ کو بتاتے ہیں کہ ایک دن قاری صاحب نے اُسید

اور اس کے دوستوں کو کتنی مزے دار کہانی سنائی اور کہانی کے آخر میں تو وہ سب حیران ہی رہ گئے تھے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ سب پڑھنے والے بھی حیران ہوتے ہیں یا نہیں؟

وہ بدھ کا دن تھا۔ اس دن تیز بارش ہو رہی تھی۔ قاری صاحب بارش تھمنے کا انتظار کر رہے تھے کہ بارش تھمے تو وہ بچوں کو چھٹی دے کر گھر بھیجیں۔

’’قاعدے رکھ دیں اور میرے پاس آ جائیں سب‘‘ قاری صاحب نے کہا تو سب بچے ان کی ہدایت پر عمل کرنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد تمام بچے ان کے گرد دائرہ لگائے بیٹھے تھے۔

’’بچو! آج میں تمہیں ایک مزے دار کہانی سنا رہا ہوں۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک گاؤں میں ہاشم نام کا ایک بچہ رہتا تھا۔ اس کے ابو وفات پا گئے تھے۔ وہ اپنی امی کے ساتھ رہتا تھا۔ اس کے ابو کی تھوڑی سی زرعی زمین تھی مگر ہاشم کے ظالم چچا نے اپنے یتیم بھتیجے سے وہ زمین ہتھیا لی تھی۔ اب ہاشم اور اس کی امی کے پاس کچھ نہیں تھا۔ وہ بہت پریشان تھے۔ ہاشم بے چارہ چھوٹا سا بچہ تھا۔ وہ سارا دن روتا رہتا تھا۔ ایک دن وہ گھر کے باہر بیٹھا رو رہا تھا کہ وہاں سے ایک بزرگ گزرے۔

’’بیٹا! کیوں رو رہے ہو؟‘‘ بزرگ نے پوچھا۔

’’میں بہت پریشان ہوں، میرا کوئی نہیں ہے‘‘، ہاشم بولا۔

’’ارے نہیں تو، تم اکیلے نہیں ہو، نہ تم خالی ہاتھ ہو بلکہ۔۔‘‘ بزرگ بولے۔

’’بلکہ کیا؟ مجھے پوری بات بتائیے!‘‘ ہاشم نے کہا۔

’’بلکہ تمہارے پاس تو بہت بڑا خزانہ ہے‘‘ بزرگ نے کہا۔

’’ہائیں! مگر کہاں ہے وہ خزانہ؟‘‘ ہاشم نے حیران ہو کر پوچھا۔

’’میں تمہیں خزانہ حاصل کرنے کا سارا طریقہ بتا دیتا ہوں، تم ایسا کرو کہ گھر سے ایک لوٹا پانی لے آؤ!‘‘ بزرگ نے کہا۔

ہاشم حیران ہوا کہ خزانے کا پانی کے لوٹے سے کیا تعلق؟ بہرحال وہ لوٹا لے آیا۔ بزرگ قریبی کھیت کے کنارے بیٹھ گئے

اور بولے:

''غور سے دیکھو، یہ جو کچھ میں کر رہا ہوں، یہ اسی خزانے کو پانے کے لیے ہے، بلکہ اسے تم خزانے کی چابی کہہ سکتے ہو۔''

''خزانے کی چابی، واہ!'' ہاشم کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوگئی تھی۔

بزرگ لوٹے سے تھوڑا تھوڑا پانی لے کر اپنے اعضاء دھوتے جا رہے تھے اور ساتھ ساتھ کچھ کہتے بھی جا رہے تھے۔ ہاشم ان کی باتیں غور سے سن رہا تھا:

''پہلے آپ نے اپنے چہرے کو مکمل طور پر دھونا ہے، پھر بازو کہنیوں سمیت دھونے ہیں، پھر تھوڑا سا پانی لے کر اپنے پورے سر کا مسح کر لینا ہے۔ مسح کا مطلب ہوتا ہے گیلا ہاتھ پھیرنا۔ سر پر گیلا ہاتھ پھیرنے کے بعد آپ نے دونوں پاؤں اچھی طرح دھو لینے ہیں۔ یہ کام کرنے کے بعد آپ کے پاس خزانے کی چابی آ جاتی ہے۔''

''اوہ اچھا! مگر آپ کے پاس نظر تو نہیں آ رہی'' ہاشم نے چونک کر ادھر ادھر دیکھا۔

''میرے پیارے بیٹے! وہ خزانہ نماز ہے اور اس کی چابی وضو ہے۔ میں نے آپ کو وضو کا طریقہ سکھایا ہے۔ اب آپ نے ایسے ہی وضو کرنا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کے حضور نماز ادا کرنی ہے۔ نماز کے بعد جب آپ دعا کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی مدد آ جائے گی'' بزرگ مسکرا کر بولے۔

ہاشم نے بزرگ کا شکریہ ادا کیا اور گھر کی طرف دوڑا۔

''ارے بچے! لوٹا تو لیتے جاؤ!'' بزرگ نے ہانک لگائی تو ہاشم واپس مڑا اور لوٹا اٹھا کر پھر سے دوڑ لگا دی۔ اب وہ گھر جا کر وضو کرنے لگا۔ اس کی امی حیران رہ گئیں۔

''ارے! یہ تو وضو کا طریقہ ہے۔ منہ دھونا، بازو دھونا، سر کا مسح اور پاؤں دھونا۔ یہ چار تو وضو کے فرض ہیں۔ تمہیں یہ کس نے بتائے؟'' وہ بولیں۔

ہاشم نے ساری بات بتائی۔ اس کی بات سن کر اس کی امی کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ بھی وضو کرنے لگیں اور دونوں نماز والے خزانے کی چابی حاصل کرنے کے بعد نماز کے لیے کھڑے ہو گئے تاکہ اللہ

تعالیٰ ان پر اپنی رحمت کا خزانہ نچھاور کر دے۔''

''کیوں بچو! کہانی پسند آئی؟'' قاری صاحب مسکرائے۔

''بہت ہی زیادہ، اس سے ہمیں وضو کے چار فرائض بھی یاد ہو گئے ہیں'' اُسید نے چہک کر کہا۔

''استاذ جی! پھر نماز کے بعد ہاشم اور ان کی امی کو کیا خزانہ ملا؟'' ایک اور بچے نے سوال کیا۔

''بالکل ملا۔ تمہیں پتہ ہے کہ وہ بزرگ کون تھے؟'' قاری صاحب مسکرائے اور کہنے لگے۔

''نہیں تو'' سب بچوں کے منہ سے نکلا۔

''وہ بزرگ دراصل اس ریاست کا وزیرِ باتدبیر تھا'' قاری صاحب نے کہا تو سب اچھل پڑے۔

''اس وزیر نے ہاشم کا پتہ نوٹ کر لیا اور اگلے ہی دن شاہی ہرکارے حرکت میں آ گئے۔ ہاشم کی زمین واپس دلوادی گئی اور حکومت نے اس کا وظیفہ بھی جاری کر دیا۔ یوں ہاشم کو تمام مسائل سے نجات مل گئی اور سب سے بڑھ کر یہ ہوا کہ اسے نماز کی صورت میں ایک قیمتی اور لازوال خزانہ بھی مل گیا'' قاری صاحب نے بات مکمل کی۔

قاری صاحب نے کہانی مکمل کرنے کے بعد باہر کا جائزہ لیا۔ بارش تھم چکی تھی اور آسمان کھل گیا تھا۔ انہوں نے بچوں کو چھٹی دی۔ اُسید ہر اٹھتے قدم کے ساتھ یہ عزم کر رہا تھا کہ اب کبھی بھی نماز نہیں چھوڑنی۔ اسے گھر جانے کی جلدی بھی تھی کہ اس نے ہاشم والی یہ کہانی اپنی بہن مومنہ کو بھی سنانی تھی۔

چلو بچو! اب آپ بھی یہ کہانی سب کو سنائیں اور ہاں، آخر میں وضو کے چار فرائض سب سے سننے ہیں۔

☆......☆......☆

کنویں کا راز

عمار حسین

میں ایک کنواں ہوں اور میرا مقام مکہ اور مدینہ کے درمیان ہے۔ اس مقام کو بدر کہتے ہیں۔ جب آپ مکہ سے مدینہ جائیں گے تو میرے پاس سے گزریں گے۔

میرے پاس پانی پینے کی غرض سے راہ گیر بھی آتے ہیں اور چرواہے بھی۔

ایک دن میری زندگی میں ایسا آیا کہ جس کا بعد میں چرچا نہ صرف تمام عرب میں ہوا بلکہ آج تک وہ واقعہ اسلام کی تاریخ میں ایک سنہری باب کی حیثیت رکھتا ہے۔

یہ بات سن ہجری کے دوسرے سال ماہ رمضان کی سترہ تاریخ کی ہے۔

ہوا یوں کہ جب مکہ کے مسلمان ہجرت کرکے مدینہ جا بسے اور وہاں خوش و خرم رہنے لگے تو مکہ کے کافر بہت طیش میں آگئے۔ مکہ کے مہاجر اپنا سارا سامان قریش کے پاس چھوڑ آتے تھے۔ اگرچہ کہ مدینے والوں نے ان کی بہت مدد کی مگر مکہ سے آتے ہوئے مسلمانوں پر یہ بات بہت گراں گزرتی تھی کہ وہ مدینے کے لوگوں پر بوجھ بنے رہیں وہ چاہتے تھے

کہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں۔

انہیں ایک دن اطلاع ملی کہ قریش کا سامان سے لدا ہوا ایک قافلہ شام کی جناب سے آ رہا ہے اس قافلے کا سردار ابوسفیان تھا۔مہاجرین نے یہ مشورہ کیا کہ اس قافلہ کو روک کر اس کا سامان اس مال و دولت کے عوض جو وہ مکہ میں کافروں کے پاس چھوڑ آئے تھے چھین لیں۔

جب یہ خبر مکہ پہنچی تو قریش آگ بگولہ ہو گئے۔ان کا غصہ اور بھی بڑھ گیا۔جب انہیں یہ اطلاع ملی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آیا ہوا ایک دستہ جو ابو سفیان کے قافلے کی خبر لینے آیا تھا کچھ کافروں پر حملہ آور ہوا اور اس لڑائی میں مسلمانوں نے دو کافر قید کر لئے اور ایک کو مار دیا۔

بس کیا تھا مکہ والوں نے فوراً باہر نکل کر مسلمانوں سے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ایک ہزار کا لشکر جس میں ایک سو گھوڑے تھے مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لئے مکہ سے چلا۔ ادھر مسلمانوں نے کافروں کا مقابلہ کرنے کے لئے پیشقدمی کی مسلمانوں کا لشکر کفار کے لشکر کے ایک تہائی سے بھی کم تھا۔ کل 313 لوگ تھے اور سوائے دو گھوڑوں کے ان کے پاس کچھ بھی تو نہ تھا۔

جب مسلمان بدر کے مقام پر پہنچے تو ایک صحابی کے مشورے سے انہوں نے میرے قریب پڑاؤ کیا تا کہ وہ مجھ سے پانی حاصل کرتے رہیں اور کافروں کو یہ پانی نہ مل سکے مسلمانوں نے میرے قریب ایک حوض بنایا جس سے وہ خود بھی پانی پیتے تھے اور اپنے جانوروں کو بھی پلاتے تھے۔ادھر اپنے ساز و سامان و ہتھیاروں سے لیس گھوڑوں سمیت کافر بھی آ پہنچے۔جب قریش کو مسلمانوں کی اس حکمت عملی کا پتہ لگا کہ

مسلمانوں نے کنویں پر قبضہ کر لیا ہے۔ تو ان میں سے ایک کافر نے قسم کھائی کہ وہ مسلمانوں کا گھیرا توڑ کر پانی پیئے گا اور پھر میرے حوض کو ڈھا دے گا۔ پیارے نبی ﷺ کے چچا حضرت حمزہ آگے بڑھے اور اس کافر کا کام تمام کر دیا۔

پرانے زمانے میں جنگ کا یہی طریقہ تھا کہ پہلے ایک سپاہی آگے نکلتا اور مخالف فوج سے کسی ایک کو للکارتا۔ ایک ایک کی لڑائی کے بعد گھمسان کا رن پڑتا۔ اس دستور کے مطابق عتبہ جس کے طائف میں انگوروں کے باغ تھے اور اس کا بھائی شیبہ اور اس کا بیٹا ولید آگے بڑھے اور چیلنج کیا کہ ہے کوئی محمد کا ساتھی جو ہم سے مقابلہ کرے؟ اس چیلنج کے جواب میں مدینہ کے کچھ انصار آگے بڑھے لیکن کفار نے اصرار کیا کہ وہ مکہ کے مہاجرین سے لڑنے آئے ہیں۔ یہ بات سن کر حضرت حمزہ، نبی ﷺ کے چچازاد بھائی حضرت علی اور حضرت عبیدہ بن حارث آگے بڑھے اور ان تینوں نے اپنے مخالفین کو ختم کر دیا۔ اس پر کافروں کا سردار ابو جہل نے مکہ والوں سے کہا کہ آگے بڑھو۔

مسلمانوں نے پہل نہ کی اور کافروں کے حملہ کا انتظار کیا۔ جونہی کافر قریب آئے مسلمان شیروں کی طرح ان پر جھپٹے اور ان کی صفوں کو چیرنا شروع کر دیا۔ مسلمان ”اللہ اکبر، اللہ اکبر“ کا نعرہ بلند کر رہے تھے لڑائی زوروں پر تھی۔ حضرت ابو بکرؓ کافروں کی بڑی تعداد اور اسلحہ دیکھ کر گھبرا گئے اور نبی سے درخواست کی کہ وہ خدا سے مدد مانگیں۔ ادھر لڑائی زوروں پر تھی اور ادھر نبی ﷺ اپنے رب کے حضور سجدہ میں گرے یہ کہہ رہے تھے۔

”یا حی یا قیوم، یا حی یا قیوم، اے قائم و دائم رہنے والے، اے قائم و

دائم رہنے والے۔‘‘

کافی دیر بعد آپ ﷺ سجدہ سے اٹھے اور ایک مٹھی بھر ریت کافروں کی طرف پھینک دی۔ آپ نے حضرت ابو بکرؓ و دیگر مسلمانوں کو خوشخبری دی کہ فتح مسلمانوں کی ہوگی۔ یہ سننا تھا کہ مسلمانوں کی آوازیں اور بلند ہوئیں اور وہ زیادہ زور و شور سے کافروں پر وار کرنے لگے۔ ادھر رسول اکرم ﷺ مسلمانوں کو بتا رہے تھے کہ اللہ نے ان کی فتح کا وعدہ کیا ہے۔ اور یہ کہ جو مسلمان اس جنگ میں کام آگیا اس کو جنت ملے گی۔

یہ سن کر ایک صحابی عمیرہ بن حام انصاری رضی اللہ عنہ کھجوریں لئے کھا رہے تھے، بولے: اوہ کیا! اچھی بات ہے کہ میرے اور جنت میں داخلے کے درمیان کچھ بھی فرق نہیں ماسوائے اس کے کہ میں شہید ہو جاؤں۔ یہ کہہ کر کھجوریں ہاتھ سے پھینکیں اور کافروں پر زوردار حملہ کیا حتی کہ خود شہید ہو گئے۔

یہ ایک ایسا معرکہ تھا جس میں اسلحہ سے لیس ایک ہزار کافر تھے ان میں سے سو گھوڑوں پر سوار تھے ان کے مقابلے میں صرف تین سو تیرہ مسلمان تھے جوان کے مقابلہ میں زیادہ تجربہ نہ رکھتے تھے اور ان کے پاس ہتھیاروں کی بھی کمی تھی۔ یعنی یوں سمجھ لیجیئے کہ ایک جانب کفر ہتھیاروں سمیت تھا اور دوسری طرف ایمان شجاعت اور حق۔ فتح آخر حق کی ہوئی۔

جو کچھ میں نے دیکھا اگر کوئی اور وہاں ہوتا تو اس کا دل دہل جاتا۔ قریش کے ساتھ بڑے بڑے سورما تھے لیکن ان میں سے ستر مارے گئے اور چوہتر قید ہو گئے تو قریش میدان سے بھاگنے لگے۔ مرنے والوں میں ابو جہل بھی تھا۔ نبی اور ان کے ساتھیوں کے ہاتھوں ذلت آمیز شکست کھا کر کافر مکہ لوٹ رہے تھے ان میں سے بیشتر زخمی تھے۔

ادھر مسلمان کامیاب و کامران 47 قیدی اور بہت سا مال غنیمت لئے مدینہ واپس ہوئے۔ مسلمانوں کے صرف 14 ساتھی میرے قریب شہید ہوئے۔ ان شہیدوں کے بارے میں اللہ نے کہا ہے کہ یہ زندہ ہیں اور اللہ کے ہاں ان کو رزق ملتا ہے۔

بقیہ صفحہ 18 پر

غزہ کی مظلوم سرزمین پر ظلم و جبر کی نئی داستان رقم کرنے کے لیے شروع کی جانے والی قابض اسرائیل کی خونی مہم ''عربات گیدعون'' اپنے انجام کو پہنچ چکی ہے۔

غاصب دشمن نے فلسطینی عوام کی آواز کو خاموش کرانے، ان کے حوصلے توڑنے اور ان کی مزاحمت کو کچلنے کی جو گھناؤنی سازش رچائی تھی، وہ خود اسی سازش میں بری طرح الجھ چکا ہے۔ اب خود صہیونی فوج کے اعلیٰ افسران یہ اعتراف کر رہے ہیں کہ وہ ایک طویل اور تھکا دینے والی جنگ میں پھنس چکے ہیں، جہاں فتح کی کوئی امید باقی نہیں رہی۔

اسرائیلی فوج کے سربراہ ایال زامیر کی جانب سے ''غزہ پر جنگ کے مستقبل کے لیے واضح اسٹریٹیجک سمت'' کا مطالبہ اس تلخ حقیقت کا اعتراف ہے کہ قابض ریاست کا عسکری نظام بکھر رہا ہے اور فوجی مشن اپنے اعلان کردہ اہداف سے کوسوں دور ہے۔

''عربات گیدعون'' کی صورت میں قابض اسرائیل نے غزہ پر موت مسلط کی، فلسطینی بستیاں کھنڈرات میں بدل دیں،

معصوم بچوں، خواتین اور بزرگوں کو خون میں نہلا دیا۔لیکن نہ حماس کمزور ہوئی، نہ مزاحمت جھکی، اور نہ فلسطینی عوام نے اپنی آزادی کے مطالبے سے ایک انچ پیچھے ہٹنے کا سوچا۔

ایال زامیر نے صہیونی حکومت کو خبردار کیا ہے کہ وہ جنگ کے مستقبل پر کوئی واضح فیصلہ کرے، کیونکہ سیاسی قیادت کی مسلسل خاموشی اور تذبذب کی وجہ سے فوج کی کارکردگی مفلوج ہو چکی ہے۔فوجی ریڈیو کی رپورٹ کے مطابق زامیر کا کہنا ہے کہ فوج کو واضح احکامات نہیں دیے جا رہے، جس سے میدان جنگ میں انتشار اور مایوسی بڑھ رہی ہے۔

میدان جنگ میں قابض فوج کی حالت یہ ہے کہ گزشتہ ہفتے شمالی غزہ سے 98ویں بریگیڈ کو چپکے سے واپس بلایا گیا، جسے اسرائیلی میڈیا نے ''عربات گیدعون'' کی زمینی ناکامی کا واضح اشارہ قرار دیا۔ اس وقت صہیونی فوج کی صرف دو بریگیڈ شمالی غزہ اور خانیونس میں لڑائی میں مصروف ہیں، جبکہ دیگر دو دفاعی پوزیشن سنبھالے ہوئے ہیں۔

زامیر نے ہر محاذ پر 30 فیصد ریزرو فوج واپس بلانے کے احکامات بھی جاری کیے ہیں، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فوج اندر سے ٹوٹ رہی ہے اور اس میں لڑنے کی سکت باقی نہیں رہی۔

قابض اسرائیل اب اپنے سیاسی اہداف کے لیے ایک نام نہاد قیدیوں کے تبادلے کی ڈیل کی طرف بڑھنا چاہتا ہے، لیکن میدان جنگ میں اسے ایسی شکست ہوئی ہے کہ اب وہ اپنی شرائط منوانے کے قابل نہیں رہا۔فوجی کمانڈ کی سطح پر بار بار اس بات پر زور دیا جا رہا ہے کہ کسی بھی ممکنہ معاہدے میں غزہ کی سرحدوں پر فوجی قبضہ برقرار رکھنا ضروری ہوگا، ورنہ مزاحمت اسے پھر چُور چُور کر دے گی۔

''عربات گیدعون'' وہ فوجی مہم تھی جس کا دعویٰ تھا کہ وہ حماس کو زیر کر لے گی۔مگر نتائج انتہائی بھیانک نکلے۔صرف جون اور جولائی کے مہینوں میں کم از کم 40 صہیونی فوجی ہلاک ہو گئے۔ اس کے علاوہ سات فوجیوں نے خودکشی کر لی، جو اس قتل عام اور

انسانیت سوز نسل کشی کا حصہ بننے کے بعد ذہنی طور پر ٹوٹ چکے تھے۔

یہ جنگ اب صرف فلسطینیوں کے خلاف نہیں بلکہ خود قابض فوج کے خلاف ایک عذاب بن چکی ہے۔ یونٹس جو کبھی خصوصی آپریشنز کے لیے مخصوص تھیں، اب عام پیدل فوج کی طرح لڑ رہی ہیں، جس سے اندرونی بغاوت اور بیزاری بڑھتی جا رہی ہے۔

فوجی ماہر بریگیڈیئر جنرل (ر) الیاس حنّا نے کہا ہے کہ قابض اسرائیل کی پوری فوجی حکمت عملی ناکام ہو چکی ہے۔ اس نے شکست کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ 98ویں بریگیڈ شدید تھکن اور جانی نقصان کی وجہ سے مکمل طور پر تباہ ہو چکی ہے۔

قبضہ یا مکمل پسپائی؟ دونوں اسرائیل کے لیے خسارے کا سودا ہیں۔

ایال زامیر کے بقول اب دو راستے بچے ہیں یا تو غزہ کو مکمل طور پر فتح کیا جائے، جس میں برسوں لگ سکتے ہیں، یا غزہ کا محاصرہ کر کے حماس کو مسلسل کمزور کرنے کی کوشش کی جائے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ دونوں راستے خود قابض اسرائیل کے لیے تباہ کن ثابت ہوں گے۔

صہیونی حکومت کے انتہا پسند وزراء جیسے بزلئیل سموٹریچ اور وزیر ورشہ کی جانب سے "غزہ پر مکمل قبضے" کے بیانات محض سیاسی نعرے ہیں۔ عسکری ماہرین کا کہنا ہے کہ زمینی حقائق ایسے کسی اقدام کی اجازت نہیں دیتے اور جو بھی فوجی دستہ غزہ سے نکالا جاتا ہے، اسے دوبارہ تیار کرنے میں کم از کم چار ماہ لگتے ہیں۔

فوجی کمانڈرز خود اس وقت شدید دباؤ میں ہیں۔ جنوبی کمانڈر اور "گیواتی" بریگیڈ کے سربراہ دونوں نے جنگ بند کرنے کی

کے لیے میدان خالی کرنے کے سوا کوئی راستہ نہیں بچا۔

اسرائیل اب نہ حماس کو قبول کرتا ہے، نہ فلسطینی اتھارٹی کو واپس لا سکا ہے، نہ ہی کسی نئے فلسطینی فریق کو پیدا کر سکا ہے۔ ”محفوظ زون یا انسانی شہر“ جیسے خواب محض فریب بن کر رہ گئے ہیں۔

عالمی برادری بھی مجرمانہ خاموشی اختیار کیے ہوئے ہے، کیونکہ امریکہ کا کھلا تعاون، اور قابض ریاست کی شدت پسند حکومت ہر امن کی راہ میں دیوار بن چکی ہے۔

فلسطینی عوام اپنی جانوں کا نذرانہ دے کر، اپنے گھروں کی چھتیں گنوا کر، اپنی لاشیں اٹھا کر دنیا کو چیخ چیخ کر بتا رہے ہیں کہ وہ سر جھکانے والے نہیں۔

غزہ، آج بھی مزاحمت کا قلعہ ہے اور قابض اسرائیل، چاہے جتنے بھی ہتھیار آزما لے، اس قلعے کو سر کرنے میں ناکام رہا ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

☆......☆......☆

حمایت کی ہے۔ خود زامیر بھی مان چکے ہیں کہ ”عربات گیدعون“ کے اہداف مکمل ہو چکے، یعنی ناکام ہو چکے۔

سیاسی تجزیہ نگار احمد عطاونہ کے مطابق تین ماہ سے زیادہ جاری رہنے والی اس وحشیانہ کارروائی میں قابض اسرائیل نے نہ صرف انسانی جانوں کا قتل عام کیا بلکہ خود بھی سیاسی بند گلی میں جا پھنسا ہے۔

ان کا کہنا ہے کہ غزہ میں قتل عام اور تباہی پھیلانے کے باوجود، حماس ابھی بھی میدان میں موجود ہے، قیدی اب بھی مزاحمت کے پاس ہیں، اور غاصب فوج

ان کی گاڑی سیاہ گیٹ کے سامنے رک گئی تھی۔

"ہم پہنچ چکے ہیں اسماعیل! اترو تمہارے دادا کا گھر آگیا ہے۔"

اپنے خیالوں میں کھویا اسماعیل چونک اٹھا تھا۔ اس کی ماما اسے اٹھا رہی تھی، اور کتنے خوش لگ رہے تھے۔ ماما، بابا بیس برس بعد وہ اپنے ملک اپنے شہر اور اپنوں سے مل رہے تھے، مگر اسے کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

کہاں امریکہ اور کہاں یہ پاکستان۔

سیاہ گیٹ کے باہر سینکڑوں لوگ جمع تھے، دو تین شخص رو بھی رہے تھے، انہیں دیکھ کے اس کے بابا احتشام ملک بھی رونے لگ گئے تھے اور ماما "اباجی!" کہتے ہوئے ایک بوڑھے شخص کے گلے لگ گئی تھی۔

"افففف! یہ میں کہاں آگیا؟" اسماعیل کو یہ سب بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔

وہ مصنوعی مسکراہٹ کے ساتھ سب سے ملا۔

"اسماعیل کتنا بڑا ہوگیا ہے۔" دادا صاحب کی آنکھیں نم تھیں۔

پورے اکیس سال کے ہوگئے ہوتم! صد شکر کہ تایا ابراہیم صاحب اسے نہیں

آدابِ فرزندی

1

رومان رشید

ملے تھے، ورنہ یہاں تو سب ہی اسے گلے مل رہے تھے، رو رہے تھے اور اسے کوفت ہو رہی تھی۔

ایک اور چیز جو اسے بہت بری لگی تھی۔

سب انہیں ہار پہنا رہے تھے۔ احتشام ملک کے چھوٹے بھائی ذکاء چاچو نے تو اسے پیسوں والا ہار بنا دیا تھا۔ اسماعیل چکرا کے رہ گیا تھا۔

اندر بھی یہی ڈرامہ دھرایا گیا، خواتین رو رو کے مل رہی تھیں۔

''پلیز یہ لے لیں!'' اس نے ہار اتار کے ایک خاتون کو دے دیا تھا، خاتون نے خاموشی سے ہار لے لیا تھا۔

''آپ کا نام؟؟'' وہ نام پوچھ کے پچھتا یا تھا۔

''میرا نام ہاجرہ ہے اسماعیل!''

وہ رو نہیں رہی تھی، چہرے پر اطمینان تھا دوپٹہ اس طرح پہنا تھا کہ ایک بال بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

''اسماعیل ! یہ تمہاری تائی ہیں بیٹا ! ماما نے ان کا تعارف کروایا۔

''اچھا آؤ ! اپنی دادی سے ملو!''

دادی تخت پر بیٹھی تسبیح پڑھ رہی تھیں، وہ جھجکتے ہوئے ان سے ملا۔

''کتنے بڑے ہو گئے ہو تم! دادی نے اس کا چہرہ ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا تھا۔

''اور تمہاری تو داڑھی بھی ہے۔'' ان کی آنکھوں سے برسات جاری تھی۔

''تم امریکہ سے آئے ہو یا مدرسے سے ؟'' چھوٹی چچی نے چہکتے ہوئے کہا تھا۔ مگر اسنے کوئی جواب نہیں دیا تھا، وہ سوچ رہا تھا کہ آخر اسکے ماموں ممانی اس سے ملنے کیوں نہیں آئے۔

''اسماعیل ! تم فریش ہو جاؤ ! پھر ہم سب ملکر کھانا کھائیں گے'' ہاجرہ تائی نے اطلاع دی تھی یا پھر حکم سنایا تھا؟ ،اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔

اسماعیل کے بابا احتشام ملک جاب کے سلسلے میں امریکہ میں مقیم تھے۔ وہ دو تین سال بعد پاکستان کا چکر لگا لیتے تھے، آخری بار وہ تب آئے تھے جب اسماعیل ایک سال کا تھا۔

صحن میں چار پائیاں بچھی تھیں، درختوں

کی چھاؤں تلے سب بیٹھے ہوئے تھے، ٹھنڈی ٹھار لسی سے لطف اندوز ہو رہے تھے۔

لسی اس کے سامنے بھی پیش کی گئی تھی مگر اسے لینے سے انکار کر رہا تھا۔

''نو تھینکس آنٹی!''

''آنٹی!'' لسی دینے والی عورت نے استعجاب سے آنکھیں پھیلائیں۔

''بیٹا! میں تمھاری پھپھو ہوں۔ بھابھی! آپ نے اسے کچھ بھی نہیں بتایا؟ یہ تو جانتا ہی نہیں ہے ہمیں، کبھی فون پر بات بھی نہیں کی تھی۔'' لیا پھپھو نے رونا شروع کر دیا تھا۔

''لیا! رو نہیں۔ یہ ہمیں بھی نہیں جانتا تھا۔'' ہاجرہ تائی نے بتایا تو پھپھو نے ماما کو ملامتی نگاہوں سے گھورا تھا۔

''بہو! یہ لڑکے کہاں ہیں؟ انہیں اسماعیل کا استقبال کرنا چاہیے تھا'' دادی اماں نے تسبیح لہرا کے پوچھا تھا۔

اور ماما پھپھو کے عتاب سے بچ گئی تھی۔

''مت پوچھو اماں! ان لڑکوں کو سمجھا سمجھا کر تھک گئی ہوں۔ منڈی سے بکرا لینے گئے ہیں اس بار وہ اپنی طرف سے خود قربانی کریں گے۔'' ہاجرہ تائی نے بتایا۔

''ہائیں۔'' دادی کافی حیران ہوئی تھیں۔

اسماعیل کو پہلی بار ان کی گفتگو دلچسپ لگی تھی، کیسے آرام سے گھر بیٹھے باتیں کر رہی تھیں، اور وہاں تو اس نے سر جھٹک دیا تھا۔ ماما، بابا کی مجبوری تھی، وہ جاب کرتے تھے، ان کے پاس اتنا ٹائم نہیں ہوتا تھا کہ وہ مل بیٹھ کے باتیں کریں، کچھ اس کی سنیں، اپنی بتائیں، بابا سے تعلقات تو پھر بھی بہتر تھے۔ ماما سے کئی کئی دن ملاقات تک نہ ہوتی تھی۔ اس کا رزلٹ، اس کی خوشیاں، اس کی عیدیں، ماما کی مصروفیت کی نذر ہو جاتے تھے۔

وہ جب بیمار ہوتا تھا تو راتوں کو اٹھ اٹھ کے روتا، پاکستانی رشتہ داروں میں صرف دادی اور دادا صاحب سے وہ رابطے میں تھا۔ اور یہ بات دادا صاحب نے کبھی کسی کو نہیں بتائی تھی کہ وہ اسماعیل سے رابطے میں ہے۔

اب وہ بہت تھک چکا تھا، وہ کمرے

میں جا کے سو جانا چاہتا تھا، دادی اور تائی اب بھی باتیں کر رہی تھیں، ماما بابا اپنوں سے ملکر بہت خوش تھے۔ آخر کو پورے بیس برس بعد ملے تھے وہ، باتیں تھیں کہ ختم ہی نہیں ہو رہی تھیں۔ لیکن یہ ہاجرہ تائی کافی عجیب تھیں، ہستی نہیں تھیں اور روتی تو بالکل بھی نہیں تھیں۔

ویری سٹرینج

ظہر کے وقت آسمان بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا، اسماعیل صحن میں بچھی چارپائی پر بیٹھ کے اس منظر کو دیکھ رہا تھا۔ اس بڑے سارے گھر میں دور دور تک درخت ہی درخت تھے۔ گھر میں موجود خواتین کام میں مصروف تھیں۔ تایا ابراہیم گھر پہ نہیں تھے۔ زکاء چاچو کلہاڑی سے لکڑیاں کاٹ رہے تھے۔ اور چھوٹی چچی لکڑیاں اٹھا اٹھا کے چولھے میں بیٹھی لیّا پھپھو کو دے رہی تھیں۔

اسماعیل کے ساتھ والی چارپائی پر دادا جی بیٹھے تھے وہ اسے ہی دیکھ رہے تھے۔

اب وہ موبائل پہ ڈیڈیو گیم کھیل رہا تھا۔ فائرنگ کی ٹھا ٹھا کانوں کو ناگوار محسوس ہو رہی تھی مگر کسے پروا تھی اتنا پرو پلییئر بار بار ناک ہو رہا تھا بے بسی کی انتہا تھی، نہ جانے کیا ہوا تھا اسے کہ کسی نے اس کے ہاتھوں سے موبائل لے لیا تھا۔ اس نے قہر بار نگاہوں سے اسے گھورنا چاہا تھا مگر کیا تو صرف یہی۔

"آپ مجھ سے میرا موبائل کیسے لے سکتی ہیں تائی!" اس نے انگریزی میں چیخ کے کہا تھا، (وہ چیخنا نہیں چاہتا تھا) مگر ہاجرہ تائی کا اطمینان قابل دید تھا۔

"پہلے ظہر کی نماز پھر موبائل، حلیہ تو تمہارا مولویوں جیسا ہے"

"مگر، آپ زبردستی نہیں کر سکتیں کسی کے ساتھ۔" وہ دبا سا چیخا (دادا صاحب اٹھ کر جا چکے تھے)۔

"ٹھیک ہے مت پڑھو نماز! یہ لو گیم کھیلو!" انہوں نے موبائل اس کے سامنے پھینکا اور چلی گئی تھیں۔

"بھابھی کیا کہہ رہی تھیں تم سے؟" ماما نے پوچھا۔ وہ ابھی ابھی اٹھی تھی شاید۔ مسکرا لگی پلکیں بوجھل تھیں۔

''نماز کا کہہ رہی تھی۔''

''ہر وقت تبلیغ کا شوق چڑھا رہتا ہے انہیں۔'' ماما بڑبڑا کے چلی گئی تھیں۔

اور وہ دوبارہ گیم نہ کھیل سکا تھا، عجیب دل اچاٹ سا ہو گیا تھا۔

عصر کے وقت وہ دونوں بھی آ گئے تھے جن کا اتنی بے صبری سے انتظار ہو رہا تھا، اسحاق اور نایاب یہ دونوں اسماعیل کے ہم عمر تھے۔

ہاجرہ تائی اور تایا ابراہیم کا بیٹا اسحاق ایک خوبصورت نوجوان تھا، اس نے اپنے کندھے پر کمزور سا بکرا اٹھایا ہوا تھا (شاید بیمار، لاچار بکرا اور مجبور بھی)۔

''ہم آ گئے، ہمارا مہنگا بکرا بھی آ گیا۔'' یہ نایاب تھا چھوٹی چچی اور ذکاء چاچو کا بیٹا۔

اسماعیل نے موبائل آف کر دیا تھا، اتنے شور میں وہ گیم کیسے کھیل سکتا تھا۔

وہ اسحاق اور نایاب سے پہلی بار مل رہا تھا، مگر ایسے لگ رہا تھا جیسے برسوں کی شناسائی ہو۔ اسحاق تو جیسے ہم شکل تھا اس کا۔

''اسماعیل! تمھیں تو اُردو آتی ہے یار! میں تو خوامخواہ پریشان ہو رہا تھا کہ اپنے کزن بھائی سے بات کیسے کروں گا؟''

نایاب بہت خوش تھا کیونکہ اسے انگریزی نہیں آتی تھی۔ اسحاق اپنا بکرا درخت سے باندھ رہا تھا، وہ فریش ہونے کا کہہ کے چلا گیا تھا کیونکہ اسکی والدہ (ہاجرہ خاتون) کو میلے کچیلے لوگ پسند نہیں تھے۔

''کتنا پیارا بکرا ہے یہ؟'' لیا پھپھو نے بکرے کی کمر سہلائی۔

نایاب اور اسحاق اس کے بہت اچھے دوست بن گئے تھے، اسے کافی مزہ آ رہا تھا یہاں۔

ابراہیم تایا اکثر گھر سے باہر ہی ہوتے تھے، اپنی زمینوں کی دیکھ بھال ان پہ فرض تھی جیسے۔

ذکاء چاچو اور چھوٹی چچی اپنے اکیس سالہ بیٹے نایاب کو بچہ ہی سمجھتے تھے۔ اور ہاجرہ تائی اپنے اسحاق کو ایک بزرگ اور میرے ماں باپ مجھے کیا سمجھتے ہیں؟

ایک بوجھ؟ وہ سوچ کے رہ گیا تھا۔

''ماما! کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟''

اپنے ماما کے کمرے کا دروازہ ہلکا سا بجایا۔

”آؤ! اسماعیل بیٹا آؤ! میں میکال سے بات کر رہی تھی تم بھی آجاؤ بات کرو بھائی سے۔“

میکال، اسماعیل کا چھوٹا بھائی تھا اور وہ کسی وجہ سے پاکستان نہیں آسکا تھا۔ اسے اپنا چھوٹا بھائی بہت عزیز تھا۔ گھر میں سب میکال سے محبت کرتے تھے۔

حتیٰ کہ ماما بھی آفس سے واپس آتے اسکے کمرے میں ضرور جاتی تھیں۔

ماما کا موبائل اس کے ہاتھ میں آتے ہی آف ہوگیا تھا، بالکل بے جان۔

”اووو! یہ کیا کر دیا تم نے؟“ غصیلے لہجے میں پوچھا۔

”کیا کر دیا میں نے؟ ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں مجھے؟“

وہ کوئی کم تھا کیا، اس نے بھی انتہائی بدتمیزی سے چیخ کے جواب دیا تھا۔

ماما کے سر پر لگی، تلووں پہ بجھی۔ ہاتھ گھما کے اسماعیل کے چہرے پہ دے مارا، چٹاخ کی آواز سارے گھر میں گونجی تھی۔

اسماعیل کی آنکھوں میں ڈھیر سارا پانی جمع ہوگیا تھا۔

”بس ملا سکون!“ وہ چلایا۔

جواباً اس نے اپنے ہاتھ میں پکڑا بے جان موبائل زور سے نیچے پھینک دیا۔

فرش پر گرتے موبائل کی آہ و بکا دور دور تک سنائی دی، مگر کسی نے بھی ”کیا“ اور ”کیوں“ کا سوال نہیں کیا۔

☆☆☆☆☆

نایاب اور اسحاق ہر وقت بوبی کی خدمت کرتے تھے، اتنا کہ بوبی ان سے تنگ آجاتی۔ دن میں دو بار اسے شیمپو سے نہلاتے، روح افزا یا جامِ شیریں کے شربت پلاتے، اعلیٰ سے اعلیٰ چیزیں کھلاتے۔

ایک دن خوب بارش ہوئی، مسئلہ یہ تھا کہ بوبی کو کہاں باندھا جائے؟

کیونکہ بقول ان کے، بوبی کو دوسرے غلیظ جانوروں کیساتھ رہتے ہوئے اپنی توہین محسوس ہوتی ہے۔

طویل مشورے کے بعد یہ طے پایا کہ بوبی کو ”بیٹھک“ میں باندھا جائے۔

(جاری ہے)

یکجہتی

محمد اسامہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کسی صحرا میں چڑیوں کا ایک خاندان رہتا تھا۔ انہوں نے گھاس پھونس میں انڈے دیئے جن سے بچے نکل آئے تھے۔ ایک ہاتھی کا بھی اسی صحرا میں بسیرا تھا۔ ایک دن ہاتھی اپنی پیاس بجھانے کے لیے دریا کی طرف جا رہا تھا کہ گھاس سے گزرتے ہوئے وہ چڑیوں کے چند بچوں کو کچل کر آگے نکل گیا۔ جب چڑیوں کو معلوم ہوا تو انہوں نے اس سانحے پر اپنے اپنے انداز میں تبصرہ کرنا شروع کیا۔

ایک بولی: قسمت میں یہی لکھا تھا۔

دوسری بولی: کوئی چارہ نہیں، بس چلیں اور نباہ کریں۔

تیسری بولی: دنیا ہمیشہ سے بدبختی کا گھر ہے۔

ایک چڑیا جوان سب سے مختلف تھی اور بڑی بہادر تھی اور جس کا نام کا گلی تھا، بولی:

”مجھے آپ لوگوں کے ایک حرف سے بھی اتفاق نہیں۔ صحرا زندگی

گزارنے کا ایک مقام ہے اور بہت عمدہ ہے، لیکن زندگی کے لیے حساب اور احتساب بھی لازمی ہے۔ یہ کیا بات ہوئی کہ کوئی ہاتھی آیا اور چڑیا کے بچوں کو پاؤں تلے روندتا ہوا یہ جا وہ جا۔‘‘

’’واقعی اُسے ایسا نہیں کرنا چاہئے لیکن فی الحال وہ ایسا ہی کر رہا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم یہاں سے ایسی جگہ کوچ کر جائیں جہاں ہاتھی نہ ہوں۔‘‘ چڑیاں بیک زبان بولیں

’’یہ نہیں ہو گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ جس کسی کا کہیں دشمن ہو وہ وہاں سے راہ فرار اختیار کر کے کہیں اور چلا جائے؟ یہ درست نہیں۔ ہمیں اپنے حق کا دفاع کرنا چاہیے۔ یہ جگہ ہمارا وطن ہے اور ہمارا فرض ہے کہ ہم دشمن کے شر سے اسے بچائیں۔ ہم اپنی جگہ کیوں چھوڑیں؟ ہاتھی کوئی دوسرا رستہ کیوں اختیار نہیں کرتا؟‘‘ کا کُلی بولی

’’بات تو درست ہے لیکن یہ بات ہاتھی سے کہے کون؟‘‘ چڑیاں بولیں

’’ہم کہیں گے۔ کیا ہمیں زندگی گزارنے کا حق نہیں؟ چلیں ہم ہاتھی کو متنبہ کرتے ہیں کہ اسے ہماری حدود میں آنے کا کوئی حق حاصل نہیں۔‘‘ کا کُلی بولی

’’اگر ہاتھی نے ہماری بات نہیں مانی، اور اس نے کڑوی کسیلی شروع کی اور لڑائی بھڑائی پر اتر آیا تو پھر؟‘‘ چڑیاں بولیں۔

’’اگر ہاتھی نے اس سیدھی اور صحیح بات کے ماننے سے انکار کیا تو میں اسے ایسا مزا چکھاؤں گی کہ لوگ اس کی کہانیاں کہا کریں گے۔ ہمارا موقف بالکل درست ہے اور یقین ہے کہ ساری خلقت ہماری حمایت کرے گی۔‘‘ کا کُلی گویا ہوئی

چڑیاں یہ سن کر ہنسنے لگیں۔ پھر بولیں:

’’تو ایسے بڑے بول کیوں بول رہی ہے۔ کیا ہم ہاتھی سے الجھنے کی سکت رکھتی ہیں؟‘‘

’’کیوں نہیں۔ اگر ہم یکجان ہو جائیں تو یہ ممکن ہے۔ ہاتھی کی تو اوقات ہی کیا ہے۔ اگر کوئی ہاتھی سے زیادہ بڑا جانور بھی ہم پر ظلم کرنا چاہے اور ہم اسے سہنے پر تیار نہ ہوں تو اس کا کوئی زور ہم پر نہیں چل سکتا۔‘‘ کا کلی بولی

’’ہم حاضر ہیں۔ بتا ہمارے لائق کیا

خدمت ہے؟'' چڑیاں بولیں
''ذرا رکیں، پہلے تو میں حجت پوری کروں گی اور اپنے نقطہ نظر سے ہاتھی کو آگاہ کروں گی۔ اگر اس نے میری بات مان لی تو ہمارا اس سے کوئی جھگڑا نہیں۔ اگر نہ مانی تو میں اسے یاد دلاؤں گی کہ جب مچھر عاجز آئے تو ہاتھی کو لے بیٹھتا ہے۔'' کالکی بولی

کالکی اُڑی اور ہاتھی کے مقابل آ کر بولی:''میاں ہاتھی! آج جس وقت تم پانی پینے نکلے اور گھاس کے قطعے سے آگے بڑھے تو ہمارے کئی بچے تم نے اپنے پاؤں تلے روند ڈالے۔ کیا تمہیں اس کا علم ہے یا نہیں؟''

''میرے جاننے نہ جاننے سے کیا فرق پڑتا ہے؟'' ہاتھی بولا۔
''فرق یوں پڑتا ہے کہ اگر تم سے غلطی سے ہوئی تو آج کے بعد جان لو کہ ہمارے حق میں ظلم ہوا اور اگر تم جانتے اور سمجھتے ہو تو پھر دوسری بات ہے۔'' کالکی بولی۔
''آہا آخر ہوا کیا؟ قیامت تو نہیں ٹوٹ پڑی!'' ہاتھی بولا

''قیامت ٹوٹ نہیں پڑی لیکن اگر سب لوگ اسی طرح ظلم اور بدی کا ارتکاب کرنے لگیں گے تو قیامت آ لگے گی۔ تم خود بھی جانتے اور سمجھتے ہو۔ میں اس لیے آئی ہوں کہ تم سے دوبارہ اپنی طرف نہ آنے کی درخواست کروں کیوں کہ وہ جگہ ہماری جائے زندگی ہے۔'' کالکی بولی۔
''پانی پینے کے لیے جاتے ہوئے وہی میری گزرگاہ ہے۔'' ہاتھی بولا۔
''دنیا بہت بڑی ہے میاں ہاتھی! کسی ایسی جگہ سے گزرا کرو کہ دوسروں کے بچے پامال نہ ہوں۔'' کالکی بولی۔
''پامال بھی ہو جائیں تو کیا برائی ہے؟ سو چڑیاں ایک ہاتھی کی قدر و قیمت نہیں رکھتیں۔ ہاتھی ہاتھی ہے!'' ہاتھی ہنکارا۔
''یقیناً ہاتھی بڑا ہے لیکن ہمارے لیے ہماری جان بھی بڑی عزیز اور پیاری ہے اور اگر تمہاری سوچ صحیح نہج پر ہو اور تم انصاف سے کام لو تو تمہیں ایسی باتیں کہنے کا کوئی حق نہیں۔ جس طرح تمہارا دل چاہتا ہے کہ تم اور تمہارے بچے آرام سے زندگی بسر کریں ہم بھی چین سے زندگی گزارنے

کی آرزو مند ہیں۔ کیا تمہیں اچھا لگے گا کہ کوئی آئے تمہارے گھر کو اجاڑ دے اور تمہارے بچوں کو دربدر کر ڈالے؟'' کالکی نے کہا۔

''کسی میں مجھ جیسی طاقت نہیں۔ میں ہاتھی ہوں جو میرے جی میں آئے کرتا ہوں۔'' ہاتھی بولا۔

''کسی بھول میں نہ رہو کیوں کہ اگر نا انصافی ہونے لگے تو پھر ہر کسی کا زور ہر کسی پر چلنے لگتا ہے۔ اپنے اس جسم پر مت پھولو! زندگی صرف عدل اور دوستی سے حلاوت پاتی ہے۔ ہم بھی چاہیں تو تمہیں اذیت دے سکتے ہیں۔'' کالکی بولی۔

''لو مجھے دیکھو کہ تجھ نادان چڑیا کا جواب دینے بیٹھ گیا۔ اری! یہ بے جا مداخلت ختم کر! گھاس کا قطعہ میری مالکیت ہے۔'' ہاتھی نے کہا۔

''میاں ہاتھی مخالفت اور عناد سے باز آؤ۔ میں نے صاف سیدھی بات کی ہے۔ سب جانتے ہیں خود تم بھی جانتے ہو۔ میں یہاں آئی تم سے ایک درخواست کی۔ ہم پر اور خود اپنے آپ پر رحم کرو اور کوئی دوسرا راستہ اختیار کرو ورنہ خود نقصان اٹھاؤ گے اور ہم تمہیں ایسا مزہ چکھائیں گی کہ اس کی داستانیں بنیں گی۔'' کالکی بولی۔

اب چڑیوں کا حملہ شروع ہوا۔ وہ ہاتھی کے ارد گرد منڈلانے لگیں اور اس سے پہلے کہ ہاتھی حرکت میں آتا، چڑیاں اس کی آنکھیں نکال چکی تھیں۔ اب ہاتھی کو کچھ سجھائی نہ دیتا تھا!

'' یہ تو بہت برا ہوا۔ اب ہاتھی غضبناک ہو کر سارے گھاس کے میدان کو پامال کر دے گا۔'' چڑیاں اکٹھی ہوئیں اور بولیں۔

''نہیں نہیں! ہاتھی کو اب کچھ نظر نہیں آتا۔ وہ پیاسا بھی ہے۔ اب مینڈکوں سے مدد لینے کا وقت آ گیا ہے۔'' کالکی نے کہا۔

کالکی نے مینڈکوں کو آواز دی اور ہاتھی کے ظلم کی تفضیل سے انھیں آگاہ کیا۔ مینڈک بولے۔

''ہمیں خوب معلوم ہے، ہم ہاتھی کے ہاتھوں خود عذاب میں ہیں۔''

''تو پھر ہماری مدد کریں۔ آدھا کام ہم کر چکیں، باقی آدھا تمہارے ہاتھ میں ہے۔ میری تجویز پر عمل کرو!'' کالکی بولی اور

سنہری باتیں

☆مسکراہٹ ایسا نذرانہ ہے جسے غریب سے غریب تر آدمی بھی پیش کر سکتا ہے۔☆ مشکلات کا مقابلہ کرنے کا نام زندگی اور ان پر غالب آجانے کا نام کامیابی ہے۔☆سب سے اچھا انسان وہ ہے جو دوسروں کو فائدہ پہنچاتا ہے۔☆ خاموشی بے وقوفی کا پردہ ہے۔☆ کانٹوں سے بھری شاخ کو ایک پھول خوبصورت بنا دیتا ہے اور غریب سے غریب عورت گھر کو جنت بنا دیتی ہے۔☆ ہر مشکل انسان کی ہمت کا امتحان لینے آتی ہے۔☆ جس میں صبر نہیں اس میں دانائی نہیں۔☆ دنیا میں ماں سے زیادہ کوئی ہمدرد ہستی ہی نہیں۔

مینڈکوں کو یکجا کر دیا۔

مینڈک ہاتھی کے سامنے جمع ہوئے اور انھوں نے ٹرّانا شروع کر دیا۔ ہاتھی پیاسا تھا۔اس نے دل میں کہا۔

”جہاں مینڈک ہے وہاں ضرور پانی ہے۔“

چوں کہ وہ اندھا ہو چکا تھا اس نے بے سوچے سمجھے آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ مینڈکوں نے مسلسل شور کرنا شروع کر دیا اور چلتے گئے چلتے گئے حتی کہ ایک وسیع گڑھے تک پہنچ گئے جو بہت گہرا تھا اور اس میں بارش کا کچھ پانی بھی جمع ہو گیا تھا۔مینڈک گڑھے کے دونوں جانب چل رہے اور ٹرّا رہے تھے۔ ہاتھی بھی پانی کی تڑپ میں آگے بڑھ رہا تھا حتی کہ وہ گڑھے کے بالکل پر پہنچ گیا اور سیدھا اس میں جا گرا۔ اب اس میں گڑھے سے باہر نکلنے کی سکت نہ تھی۔ چڑیوں اور مینڈکوں نے سکھ کا سانس لیا۔

اس وقت کالکی، ہاتھی سے مخاطب ہوئی۔

”یہ اس شخص کی سزا ہے جس میں انصاف نہیں، جو لوگوں کی جان پر رحم نہیں کھاتا اور دوسروں کو حقیر سمجھتا ہے۔اب تیرا یہی ٹھکانا ہے۔ میں چلتی ہوں اور جیسا کہ میں نے کہا تھا میں چڑیا اور ہاتھی کا قصہ لوگوں کو سناتی ہوں تا کہ اسے داستانوں میں جگہ دیں۔“

قسط 69

عبدالحفیظ امیرپوری

مگر میرا مشورہ یہی ہے کہ آپ خود غرض اور موقع پرست لوگوں کے فریب میں نہ آئیں۔ ان کا تو ایک ہی کام ہے کہ وہ دونوں سلطنتوں کے درمیان نفاق و عداوت کے بیج بوتے رہیں۔ مگر مجھے آپ کی روشن خیالی سے امید ہے کہ دلوں پر چھا جانے والا یہ وقتی غبار چھٹ جائے گا اور دوستی کے رشتے فروغ پاتے رہیں گے۔"

☆......☆......☆

در اصل ٹیپو سلطان مزید کچھ دنوں کی مہلت حاصل کرنا چاہتا تھا تا کہ وہ اپنی فوجی تیاریاں مکمل کر سکے۔ پھر اگر فرنگیوں کی نیت خراب ہو تو وہ اتحادیوں سے آخری فیصلہ کن جنگ لڑ سکے۔

نپولین بونا پارٹ کے بندرگاہ عکہ میں محصور ہو جانے کے بعد ٹیپو کی امیدوں پر اوس پڑ گئی تھی اور اب اسے حکومت فرانس سے کسی قسم کے تعاون کی کوئی توقع نہیں رہی تھی۔ پھر بھی ٹیپو کو زمان شاہ والی کابل اور شاہ ایران کی امداد کا بے چینی سے انتظار تھا۔

اگر یہ دونوں مملکتیں سلطان کے ساتھ بھر پور فوجی تعاون کرتیں تو سلطان اتحادیوں کے تمام منصوبوں کو ناکام بنا سکتا تھا۔ یہی وہ اسباب تھے کہ جن کے زیر اثر ٹیپو سلطان نے حکمت عملی سے کام لیتے

ہوئے لارڈ ولزلی کی اشتعال انگیزیوں کو نظر انداز کر دیا تھا۔

لارڈ ولزلی نے سلطان کے خط کا کوئی جواب نہیں دیا اور تحقیقات کے لئے میجر ڈوٹن کو بھی روانہ نہیں کیا۔ یہ بھی انگریز گورنر جنرل کی ایک گہری سیاسی چال تھی۔ وہ سلطان کو فکر و پریشانی میں مبتلا کر کے دوسرے مقاصد حاصل کرنا چاہتا تھا۔

لارڈ ولزلی عجیب انداز کا شاطر تھا۔ وہ اپنے ہدف کی جانب بڑھنے سے پہلے راستے میں چاروں طرف بہت دھول اُڑاتا تھا۔ پھر جب ساری فضا گرد و غبار سے بھر جاتی تھی اور اس کے دشمنوں کی آنکھیں دھندلا جاتی تھیں تو وہ اپنے اصلی نشانے پر تیر پھینکتا تھا۔

ٹیپو سلطان کے ساتھ بھی لارڈ ولزلی نے یہی چال چلی تھی۔ سلطنت خداداد کے فرمانروا کو سخت تنبیہ کرنے کے بعد وہ مرہٹوں کی طرف متوجہ ہوا۔ لارڈ ولزلی کو خطرہ تھا کہ کہیں مرہٹے، ٹیپو کے ساتھ نہ مل جائیں ۔ سلطان مرہٹوں سے مایوس ہونے کے باوجود پیشوائے پونا کو مسلسل اس امر کا احساس دلا رہا تھا کہ ہندوستان کی آزادی کی خاطر دونوں سلطنتوں کا اتحاد بہت ضروری ہے۔ اگر ایسا ممکن نہیں ہوا تو مستقبل قریب میں ہندوستان، فرنگیوں کے پنجہ ستم سے محفوظ نہیں رہ سکے گا۔

وزیر اعظم نان فرنویس شروع میں ٹیپو کے لئے سخت متعصبانہ جذبات رکھتا تھا مگر جب وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انگریزی اقتدار جڑ پکڑنے لگا تو اسے احساس ہوا کہ فرنگیوں کی تباہ کاریوں سے محفوظ رہنے کے لئے ٹیپو سے دوستی ضروری ہے۔

لارڈ ولزلی، نان فرنویس کے ان خیالات سے پوری طرح باخبر تھا، اس لئے وہ مرہٹوں اور ٹیپو کے درمیان ایسی خلیج حائل کر دینا چاہتا تھا جو کسی طرح بھی عبور نہ کی جا سکے۔

پھر لارڈ ولزلی نے ایک اور عجیب چال چلی۔ چند سالوں سے دربار پونا آپس کے اختلافات اور سازشوں کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اور جب لارڈ ولزلی، ہندوستان کے ساحل پر اترا، اس وقت وزیر اعظم نانا فرنویس، دولت راد سندھیا کی قید میں تھا اور

مسند پیشوائی پر باجی راؤ متمکن تھا۔

دولت راؤ سندھیا، باجی راؤ پیشوا کا محافظ و نگراں تھا اور مرہٹوں میں سب سے زیادہ طاقتور حکمراں بھی۔ اس لئے لارڈ ولزلی نے دولت راؤ سندھیا کو پونا سے ہٹا دینا چاہا۔ اس نے پونا کے انگریز سفیر کو لکھا کہ نان فرنویس کی رہائی کے لئے اس شرط پر کوشش کرے کہ وہ انگریزوں کا طرف دار رہے۔

ابھی انگریز سفیر کو لارڈ ولزلی کا یہ خط موصول بھی نہیں ہوا تھا کہ مرہٹوں نے خود آپس میں سمجھوتہ کر لیا اور نانا فرنویس کو قید سے رہائی مل گئی۔

جب مرہٹوں میں نفاق ڈالنے کی یہ کوشش ناکام رہی تو لارڈ ولزلی نئے منصوبے پر غور کرنے لگا۔ کچھ دن بعد لارڈ ولزلی نے پونا میں متعین عزیز سفیر کرنل پالمر کو ایک طویل خط لکھا۔

''میں نہیں جانتا کہ دولت راؤ سندھیا اور ٹیپو سلطان کے درمیان کوئی معاہدہ ہوا ہے یا نہیں۔ پھر بھی سندھیا کی طاقتور فوج کا پونا میں رہنا ہمارے لئے بہت زیادہ خطرناک ہے۔ اگر ہندوستان میں انگریزی اقتدار کی بقا چاہتے ہو تو کسی نہ کسی طرح دولت راؤ سندھیا کو پونا چھوڑ دینے پر مجبور کر دو۔ میں بھی اس سلسلے میں دن رات غور و فکر کر رہا ہوں، تم بھی مسلسل سوچتے رہو۔''

مرہٹوں میں دولت راؤ سندھیا کی فوج ہی ایک ایسی فوج تھی جو میدانِ جنگ میں کارگر ہو سکتی تھی ورنہ پیشوائے پونا کی ذاتی طاقت تو اس قدر محدود تھی کہ اس کا ہونا نہ ہونا برابر تھا۔

آخر لارڈ ولزلی کے عیار ذہن نے ایک اور منصوبہ تراش لیا۔ مرہٹوں نے پانی پت کے میدان میں احمد شاہ ابدالی سے ایسی عبرت ناک شکست کھائی تھی کہ آج تک اس شکست کے زخم ہرے تھے اور ان سے مسلسل خون رستا تھا۔

مرنے کے بعد بھی احمد شاہ ابدالی کے جاہ و جلال کا یہ عالم تھا کہ اس کا نام سن کر بھی مرہٹے لرز جاتے تھے۔ لارڈ ولزلی نے مرہٹوں کی اسی نفسیاتی کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یہ افواہ پھیلا دی کہ عنقریب احمد شاہ ابدالی کا پوتا، زمان شاہ ہندوستان پر

حملہ کرنے والا ہے۔ اس کے ساتھ ہی دولت راؤ سندھیا کو مشورہ دیا گیا کہ وہ اپنے شمالی مقبوضات کو بچانے کی فکر کرے۔

اس مشورے کا ایک ہی مقصد تھا کہ دولت راؤ سندھیا، دولت زمان شاہ کے حملے کی خبر سن کر گھبرا جائے اور پھر اس خوف وہراس کے عالم میں پونا چھوڑ کر شمالی ہند کی طرف چلا جائے۔

لارڈ ولزلی کا منصوبہ اپنی جگہ مکمل تھا مگر دولت راؤ سندھیا پر زمان شاہ کے فرضی حملے کی خبر کا کوئی اثر مرتب نہیں ہوا اور وہ برابر پونا میں مقیم رہا۔

اپنی اس چال کی ناکامی پر لارڈ ولزلی کچھ دیر کے لئے شدید جھنجلاہٹ کا شکار نظر آنے لگا۔ مگر چند روز بعد ہی اس کے ہونٹوں پر وہی پُر فریب مسکراہٹ نظر آنے لگی۔ ابھی دولت راؤ سندھیا، پونا میں مقیم تھا کہ لارڈ ولزلی نے کرنل کالنس کو سفیر بنا کر گوالیار روانہ کیا۔ گوالیار، دولت راؤ سندھیا کا پایہ تخت تھا۔

لارڈ ولزلی کی طرح کرنل کالنس بھی شاطرانہ چالیں چلنے میں بڑی مہارت رکھتا تھا۔ جب کرنل، گوالیار کی طرف روانہ ہونے والا تھا تو ایک دن پہلے لارڈ ولزلی نے اسے تنہائی میں طلب کرتے ہوئے کہا تھا۔

”کرنل! تو میری بساط سیاست کا ایک ایسا مہرہ ہے جس پر میں ناز کرتا ہوں۔ تو خود بہت زیرک و دانا ہے، اس لئے میں تجھے کیا سمجھاؤں۔ مگر پھر بھی اتنا یاد رکھنا کہ تیری شکست میری ذاتی شکست ہوگی۔“

”معزز و محترم لارڈ! میری لغت میں تو شکست کا لفظ ہی تحریر نہیں ہے۔“ یہ کہہ کر کرنل کالنس چند قدم آگے بڑھا اور لارڈ ولزلی کے ہاتھوں کو بوسہ دیتے ہوئے بولا۔

”عنقریب آپ سن لیں گے کہ آپ کے اس حقیر سے مہرے نے سیاست کی بساط پر کیا گل کھلائے؟ شاہ کی بساط کیا شاہ انگلستان اور لارڈ ولزلی کے وقار و جاہ کی قسم! ایسی بازی کھیلوں گا کہ ساری دنیا قیامت تک میری چالوں کو یاد رکھے گی۔“

اور پھر ایسا ہی ہوا۔

کرنل کالنس کے گوالیار پہنچتے ہی دولت راؤ سندھیا کے وزیروں اور امیروں میں شدید نفاق پھیل گیا اور وہ ایک

دوسرے کے دشمن نظر آنے لگے۔

پھر جب لارڈ ولزلی کو یہ خبر پہنچی کہ کرنل کالنس اپنی کوششوں میں کامیاب ہو گیا ہے تو اس نے فوراً ہی نظام دکن کی طرف نیا جال پھینکا۔ حیدر آباد کے عظیم الامراء ارسطو جاہ کو یقین دلایا گیا کہ دولت راؤ سندھیا، تاوانِ جنگ کے لئے اس کے علاقوں پر حملہ کرنے والا ہے۔

آخر نظام علی خان نے بھی گھبرا کر لارڈ ولزلی کے سائے میں پناہ حاصل کی۔ وہ سایہ جو غلامی اور موت کا سایہ تھا۔

نظام سے فارغ ہو کر لارڈ ولزلی نے ایک اور چال چلی۔ اودھ کی سلطنت وارن ہیسٹنگز کے زمانے سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی تابع ہو چکی تھی۔

اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر لارڈ نے ایک بڑی فوج اودھ کے اس علاقے کی طرف بھیج دی جس کی سرحد میں دولت راؤ سندھیا کی سرحدوں سے ملتی تھیں۔

اس کے بعد لارڈ ولزلی کے حکم پر یہ خبر عام کی گئی کہ اودھ کا نواب وزیر علی، بنارس کے راستے فرار ہو کر کابل پہنچ گیا ہے تا کہ وہ اپنا کھویا ہوا اقتدار دوبارہ حاصل کرنے کے لئے شاہ زماں سے فوجی تعاون کی درخواست کر سکے۔

اگر چہ لارڈ ولزلی نے یہی اعلان کیا تھا کہ شاہ زماں کے متوقع حملے کو روکنے کے لئے اودھ کی سرحدوں پر انگریز فوج تعینات کی گئی ہے لیکن در پردہ وہ دولت راؤ سندھیا پر دباؤ ڈالنا چاہتا تھا۔

آخر لارڈ ولزلی اپنے مقصد میں کامیاب ہو گیا۔ دولت راؤ سندھیا نے انگریزی فوجوں کے اجتماع کی خبریں سن کر یہی سمجھا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی اس کے شمالی علاقوں پر قبضہ کرنا چاہتی ہے۔

اس لئے وہ اپنی فوج لے کر پونا سے نکلا اور تیز رفتاری کے ساتھ گوالیار پہنچ گیا۔

لارڈ ولزلی یہی چاہتا تھا کہ اس کے منصوبے کی تکمیل میں حائل یہ سب سے بڑی رکاوٹ دور ہو جائے۔

پھر جب دولت راؤ سندھیا اپنے پایہ تخت پہنچ گیا تو لارڈ ولزلی نے پیشوائے پونا اور وزیر اعظم نانا فرنویس کے سامنے سب سی ڈیاری سسٹم پیش کیا۔

اس سسٹم کو قبول کرنے کے بعد مرہٹوں نے یقین دلایا کہ وہ پہلے معاہدے پر قائم رہیں گے۔ اگر آئندہ ٹیپو سلطان اور ایسٹ انڈیا کمپنی میں جنگ ہوئی تو پونا کی ساری ہمدردیاں کمپنی کے ساتھ ہوں گی۔

نظام علی خان اور مرہٹوں سے معاہدہ کرنے کے بعد لارڈ ولزلی، افغانستان کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ اس حقیقت سے باخبر تھا کہ سلطان کا سفیر، افغانستان میں موجود ہے اور دونوں سلطنتوں کے درمیان ایک فوجی معاہدے کے سلسلے میں مذاکرات کر رہا ہے۔

لارڈ ولزلی کے خیال میں اگر یہ مذاکرات کامیاب ہو جاتے اور زمان شاہ، ہندوستان پر حملہ کر دیتا تو شمال میں افغان اور جنوب میں ٹیپو سلطان مل کر ہمیشہ کے لئے انگریزوں سے نجات حاصل کر لیتے اور عیار فرنگی، چکی کے دو پاٹوں کے درمیان اس طرح پیس ڈالے جاتے، جیسے گندم۔

لارڈ ولزلی کو صورت حال کی سنگینی کا شدت سے احساس تھا، اس لئے وہ زماں شاہ کو ٹیپو سے دور دور رکھنا چاہتا تھا۔

آخر اس نے اپنی سیاست کی زنبیل سے ایک اور فتنہ گر چال برآمد کی۔ لارڈ ولزلی نے مراد آباد کے ایک شیعہ کو ایران بھیجا۔ انگریزوں کے خریدے ہوئے اس شخص نے عباس شاہ صفوی کے دربار میں پہنچ کر اس قدر زور و شور کے ساتھ گریہ وزاری کی کہ پورا دربار لرز اٹھا۔

شہنشاہ نہیں جانتے کہ افغانستان میں شیعوں پر کیسا ظلم ہو رہا ہے۔ وہ بہروپیا، عباس شاہ صفوی کے سامنے زار و قطار روتے ہوئے سینہ کوبی کر رہا تھا۔

’’خدا ہی جانتا ہے کہ میں یہاں کس طرح پہنچا ہوں۔ افغانستان میں شیعوں کی عزت و آبرو محفوظ ہے اور نہ جان و مال۔ ان کے عقائد پر پابندیاں عائد کر دی گئی ہیں اور سینکڑوں شیعہ ہر روز تہ تیغ کیئے جا رہے ہیں۔‘‘

☆......☆......☆

واپسی

دانیال حسن چغتائی

وقار ہنستا مسکراتا، خوش لباس اور ذہین بچہ تھا، جس کے چہرے پر ہمہ وقت شگفتگی کی روشنی رہتی۔

وہ اپنے اسکول میں اعلیٰ نمبر حاصل کرتا بلکہ تقریری مقابلوں، مضمون نویسی اور سائنسی پروجیکٹس میں بھی اکثر اول آتا۔ اُس کی خوش خطی اور صفائی دیکھ کر اساتذہ تعریف کرتے نہ تھکتے۔اس کے ہم جماعت بھی اس کی تعریف کرتے۔

وقار ان باتوں پر شرما کر مسکرا دیتا اور کہتا:

”یہ کوئی مشکل نہیں، اس کے لیے بس محنت چاہیے، اس کے بعد کچھ بھی مشکل نہیں ہوتا!}}

ہر روز وہ اسکول سے آ کر پہلے تھوڑا آرام کرتا، پھر ہوم ورک مکمل کرتا اور پھر گلی کے پارک میں کرکٹ کھیلنے چلا جاتا۔ وقار کی ترتیب بہت عمدہ تھی ۔وقت پر سونا، وقت پر اٹھنا، اور ہر کام ذمہ داری سے کرنا اس کے معمولات تھے۔

لیکن گزشتہ کچھ دنوں سے وقار میں واضح تبدیلی دیکھی جا رہی تھی۔

اب وہ کھیلنے کے بعد جلدی گھر واپس آنے کے بجائے دوستوں کے ساتھ گھنٹوں ادھر اُدھر گھومتا رہتا۔ جب کوئی ساتھی اسے کہتا، ”وقار! اب تو تیاری کر لو، اگلے ہفتے امتحان ہے“

تو وہ ہنستے ہوئے جواب دیتا:

”یار، مجھے کیا فکر؟ میں تو چٹکیوں میں سبق یاد کر لیتا ہوں۔“

جب اس کی چھوٹی بہن زارا ہوم ورک میں مدد مانگتی تو وہ کہتا:

”پہلے مجھے اپنا ٹی وی شو دیکھنے دو، پھر دیکھتا ہوں۔“

امی جان جب اسے بازار

سبزی لینے کے لیے کہتیں تو وہ بیزاری سے کہتا:

”امی! میرے پاس وقت نہیں۔“

ابو جان اسے سختی سے سمجھاتے:

”وقار بیٹا! محنت کا کوئی نعم البدل نہیں۔تم ذہین ہو، یہ خوشی کی بات ہے، مگر غرور کرنا کسی کو زیب نہیں دیتا۔“

مگر وقار کے کان پر جوں تک نہ رینگتی۔

”ابو! آپ بس دیکھتے رہیے، میں بغیر تیاری کے بھی کلاس میں ٹاپ کرسکتا ہوں“ وہ فخر سے کہتا۔

گلی کے سب بچے اُسے آئیڈیل سمجھتے تھے۔وہ بھی وقار کی باتوں سے متاثر ہو کر ہوم ورک کو معمولی سمجھنے لگے۔

اسی اثنا میں اسکول میں ماہانہ ٹیسٹ کا اعلان ہوا۔سب طلبہ نے تیاری شروع کر دی، مگر وقار اب بھی پارک میں کرکٹ کے چھکے مارنے میں مصروف تھا۔وہ اسکول میں بھی دوستوں سے کہتا:

”بس آدھے گھنٹے میں سارا نصاب یاد کرلوں گا، یہ تو میرے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے۔“

ٹیسٹ کے دن آ گئے۔امتحان میں وقار نے کچھ یاد تو کیا نہیں تھا تو اس کے طوطے اڑ گئے۔اس کے باوجود واپسی پر بھی وہ بے فکری سے آئس کریم کھاتا گھر آیا۔

کچھ دن بعد اسکول میں رزلٹ تقسیم ہونا تھا۔

گھنے درختوں سے ڈھکے اسکول کے گراؤنڈ میں تمام بچے قطار در قطار کھڑے تھے۔ ہیڈ ماسٹر صاحب نے نام پکارنا شروع کیے۔

”اول پوزیشن عائشہ فاطمہ“

سب بچوں نے تالیاں بجائیں۔

”دوئم پوزیشن زبیر قریشی“

وقار کا نام سب سے کم نمبر لینے والے طالب علموں میں آیا۔

وقار کا دل جیسے بیٹھ گیا۔ اسے ایسی صورتحال کا سامنا کبھی نہیں کرنا پڑا تھا۔اسے بہت شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔وہ نظریں جھکائے خاموشی سے کرسی پر بیٹھ گیا۔سب بچے حیران تھے۔

”وقار؟ سب سے پیچھے؟ کیسے ممکن ہے؟“

گھر آ کر بھی وہ خاموش رہا۔ امی نے اس کے چہرے پر مایوسی دیکھی تو کچھ نہ بولیں۔ البتہ ابو نے خاموشی توڑتے ہوئے کہا:

”بیٹا! ذہانت ایک نعمت ہے، لیکن غرور اسے برباد کر دیتا ہے۔ کامیابی اُنہیں ملتی ہے جو محنت کرتے ہیں، صرف اعتماد سے کچھ نہیں ہوتا۔“

وقار کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ آہستگی سے بولا:

”ابو! آپ ٹھیک کہتے تھے، میں خود کو ناقابلِ شکست سمجھ بیٹھا تھا مگر آج مجھے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔“

امی نے آگے بڑھ کر اُس کے سر پر ہاتھ رکھا:

”ہم سب غلطیاں کرتے ہیں بیٹا! اصل بات یہ ہے کہ ہم ان سے کچھ سیکھیں۔“

وقار نے خود کو بدلنے کا عزم کیا۔ اُس نے اپنا نیا شیڈول بنایا، پارک جانے سے پہلے ہوم ورک مکمل کرنا لازم قرار دیا، ٹی وی دیکھنے بند کر دیا، اور چھوٹے بہن بھائیوں کی مدد میں پہلے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لینے لگا۔

چند ماہ بعد سالانہ امتحانات ہوئے۔ اس بار وقار نے نہ صرف مکمل تیاری کی بلکہ اسکول کے لائبریری سیکشن سے کتابیں لا کر خود کو مزید بہتر کیا۔

نتیجہ آیا تو وقار کو اسکول میں بہترین کارکردگی کا انعام ملا۔

پورا ہال تالیوں سے گونج اُٹھا۔ وقار نے مائیک پر آ کر مختصر الفاظ میں کہا:

”میں اپنی کامیابی اپنے والدین کے نام کرتا ہوں، جنہوں نے مجھے غرور کی اندھیری گلی سے نکال کر محنت کا راستہ دکھایا۔“

اس دن وقار کی آنکھوں میں چمک تھی۔ غرور کہیں زمین بوس ہو چکا تھا۔

ذہانت رب کا انعام ہے، لیکن اس کا حق تب ادا ہوتا ہے جب انسان محنت اور انکساری سے کام لے۔ خود اعتمادی اچھی بات ہے، لیکن حد سے بڑھے تو وہ انسان کو گرانے میں دیر نہیں لگاتی۔

☆......☆......☆

غصہ کی بھڑکتی آگ

حفصہ حمیرا

”عکاشہ! چھوڑ! اسے“ عدیل نے کہا، تو اونچی آواز میں تھا، لیکن کلاس میں شور زیادہ ہونے کی وجہ سے عکاشہ کو سنائی نہیں دیا، یا پھر اُس نے سنی اَن سنی کر دی۔

”تم آرام سے بھی تو بات کر سکتے ہو بھائی!“ عدیل نے ایک دفعہ پھر کوشش کی۔

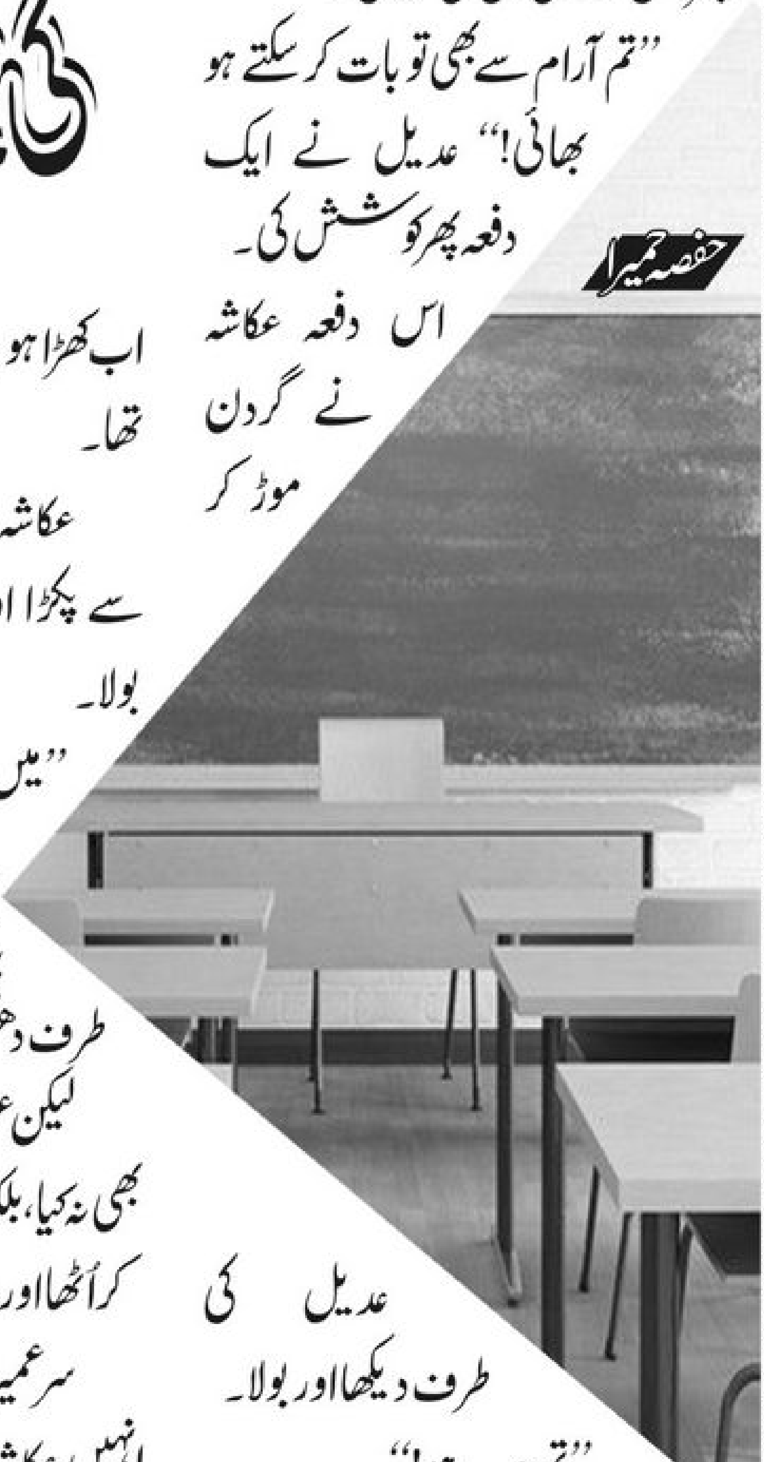

اس دفعہ عکاشہ نے گردن موڑ کر عدیل کی طرف دیکھا اور بولا۔

”تم چپ رہو!“

اور دوبارہ عثمان کی طرف لپکا۔ عثمان اب کھڑا ہو چکا تھا اور اپنی چیزیں سمیٹ رہا تھا۔

عکاشہ نے آگے بڑھ کر اُسے کندھوں سے پکڑا اور زور زور سے ہلاتے ہوئے بولا۔

”میں نے ایک دن چھٹی کیا کر لی، تم نے تو میری جگہ پر قبضہ کر لیا!“ یہ کہہ کر اُس نے عثمان کو پیچھے کی طرف دھکیلا۔

لیکن عثمان نے بدلے میں اُسے کچھ بھی نہ کیا، بلکہ خاموشی سے اپنی چیزیں سمیٹ کر اُٹھا اور دوسری کرسی پر بیٹھ گیا۔

سر عمیر ساری لڑائی دیکھ رہے تھے۔ انہیں عکاشہ کا یہ انداز دیکھ کر حیرانی نہیں ہوئی تھی، کیونکہ اس کا تو روز کا کام تھا کسی نہ

کسی سے لڑائی جھگڑا کرنا۔ بارہا سمجھانے پر بھی وہ باز نہیں آیا تھا۔لیکن عثمان کا یوں چپ چاپ اُٹھ جانا حیران کن بات تھی۔ جہاں تک انہیں یاد پڑتا تھا،عثمان عکاشہ کی اینٹ کا جواب پتھر سے دیتا تھا،لیکن آج معاملہ برعکس تھا۔

سر کلاس روم میں داخل ہوئے تو جو بچے کھڑے ہو کر لڑائی دیکھ رہے تھے،فوراً اپنی اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ گئے۔

سر نے عثمان کی طرف دیکھا جو سرخ چہرہ لیے منہ ہی منہ میں کچھ بڑبڑا رہا تھا۔ وقفے وقفے سے پاس پڑا گلاس اُٹھا کر منہ کو لگا لیتا، پھر دوبارہ نیچے رکھ دیتا۔ تین چار منٹ بعد وہ نارمل ہو کر دوسرے بچوں کی طرح سبق پڑھنے میں مصروف ہو گیا۔

سر عمیر یہ سب دیکھ کر مسکرا دیے۔اُن کا ذہن فوراً کل ہونے والی باتوں کی طرف گیا۔

ابھی کل ہی تو عکاشہ اور عدیل کو لڑتے دیکھ کر انھوں نے سمجھایا تھا۔

”اگر ایک لڑائی جھگڑا کرے تو دوسرا معاف کر دے، بالکل اسی طرح جس طرح خدا سے معافی کی امید رکھتے ہو۔“

سر نے عدیل اور عکاشہ کی صلح کرواتے ہوئے کہا تھا۔

”سر! اگر غصہ زیادہ ہو تو؟“ عثمان نے اُلجھن بھرے انداز میں کہا۔

جواباً سر نے غصے پر قابو پانے کا طریقہ بتایا۔

”پر کیسے؟“ ایک اور سوال کیا گیا۔

”غصے پر قابو پانے کا طریقہ یہ ہے کہ اگر کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ، اور اگر بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ، اور تعوذ پڑھو، پانی پیو، اس طرح غصہ ختم ہو جائے گا۔“

سر کے بتانے پر اُس نے پُر جوش ہو کر حامی بھری تھی کہ وہ اس پر عمل ضرور کرے گا۔ اور آج اُس نے عمل کر کے دکھایا تھا۔

سر نے عثمان کے اس عمل کی تعریف کی اور عکاشہ کو ڈانٹا کہ آئندہ اسے سزا ملے گی۔عکاشہ، جو پہلے ہی عثمان کو سخت نظروں سے دیکھ رہا تھا، اس ڈانٹ کا ذمہ دار بھی عثمان کو ٹھہرانے لگا۔

”تمہاری وجہ سے سر نے مجھے ڈانٹا

ہے، اس کا بدلہ تو ضرور لوں گا!'' عکاشہ نے عثمان کے کان میں سرگوشی کی۔

اب وہ عثمان سے بدلہ لینے کے منصوبے بنانے لگا۔ اچانک اُسے یاد آیا کہ کلاس کی مشترکہ کچھ رقم عثمان کے پاس تھی۔ جو بچہ بھی چھٹی کرتا تھا وہ جرمانہ دیتا تھا اور مہینے کے آخر میں وہ پیسے عثمان سر کو دیتا تھا۔

جب عثمان سبق سنانے کے لیے گیا تو عکاشہ نے وہ سارے پیسے اُٹھا لیے۔ وہ دل ہی دل میں بہت خوش ہو رہا تھا کہ جب صبح سر کو پتا چلے گا کہ وہ رقم عثمان کے پاس نہیں ہے تو عثمان کو ڈانٹ پڑے گی اور باقی بچے اُسے چور کہیں گے۔

''کتنا مزا آئے گا! اور جو پیسے میں نے اُٹھائے ہیں ان سے واپسی پر گھر جاتے ہوئے کوئی چیز لے لوں گا، جس سے گھر میں کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا۔''

جب چھٹی ہوئی تو وہ مارکیٹ کی طرف روانہ ہوا اور ایک دکان میں جا کر چیزیں دیکھنے لگا۔ وہاں پر اُسے ایک پین پسند آیا، وہ اُسے اُٹھا کر دیکھنے لگا۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ ادھر اُدھر بھی دیکھنے لگا کہ کہیں کوئی دیکھ تو نہیں رہا۔ لیکن وہ عثمان کو اپنی طرف آتا دیکھ کر گھبرا گیا۔

عکاشہ کو لگا کہ اُس کی چوری پکڑی گئی ہے۔ وہ بڑبڑاتے ہوئے بھاگا۔ اُسے یہ بھی یاد نہ رہا کہ اُس کے ہاتھ میں دکاندار کا پین ہے۔ دکاندار نے جب ایک لڑکے کو پین اُٹھا کر بھاگتے دیکھا تو ''چور! چور!'' کہتے ہوئے اُس کے پیچھے دوڑا اور جلد ہی پکڑ لیا اور خوب مارا۔

اس دوران کچھ دوسرے لوگ بھی جمع ہو چکے تھے۔ وہ بھی افسوس بھری نظروں سے اُسے دیکھ رہے تھے۔ اُس کے ہم عمر لڑکے دبی دبی ہنسی نہیں روک پا رہے تھے۔

''انکل! جلدی میں مجھے یاد نہیں رہا...'' عکاشہ نے کہنا چاہا لیکن شرمندگی میں اُس کی آواز ہی نہیں نکلی۔

دکاندار نے زمین پر پڑے پین کو دیکھا، جو گرنے کی وجہ سے خراب ہو چکا تھا۔

''اب اس کے پیسے کون دے گا؟''

دکاندار نے کرخت لہجے میں پوچھا۔

عکاشہ نے ڈرتے ڈرتے ہتھیلی آگے کی لیکن دکاندار انکل نے کہا کہ یہ بہت کم ہیں۔ عکاشہ کے پاس اور پیسے نہیں تھے۔ وہ اپنی پاکٹ منی کھا چکا تھا۔ وہ ندامت سے سر جھکا کر کھڑا ہو گیا۔

اتنے میں عثمان وہاں پہنچ گیا اور باقی پیسے اُس نے اپنی طرف سے ادا کیے، جو وہ اپنے چھوٹے بھائی کے لیے چاکلیٹ لینے کے لیے لایا تھا۔ وہ عکاشہ کو لے کر وہاں سے چل پڑا۔

عکاشہ نے دل میں سوچا۔

”اگر آج عثمان باقی پیسے نہ دیتا تو وہ دکاندار انکل میرے ابو کو بتاتے، اور پھر میرے ابو کتنے ناراض ہوتے اور میں کتنی شرمندگی اُٹھاتا۔ اگر اُس دن میں بھی درگزر کرتا اور لڑائی نہ کرتا تو یہ نوبت نہ آتی۔“

عثمان نے غصے پر قابو پا کر ایک نیک عمل کیا، اور نیکی کرنے والا اللہ کا قرب حاصل کر لیتا ہے۔ جسے اللہ اپنا محبوب بندہ بنا لے تو اُس کے لیے ہر کام میں آسانی لکھ دیتا ہے۔

اور عکاشہ نے لڑائی جھگڑا اور غصے کی آگ میں ایک بُرا کام کیا، جو اُسے اللہ سے دور اور شیطان کے قریب لے گیا۔ اور جو کوڑے میں رہتا ہو، لازم نہیں کہ وہ پاک رہے۔ پھر شیطان تو ہے ہی شریر، کہ وہ تو وہ شر ہے جو دنیا و آخرت میں ذلیل و رسوا کر دے۔“

عکاشہ نے عثمان کی طرف دیکھا، جو سکون اور اطمینان سے چل رہا تھا۔ اُس نے اپنے اس فعل پر معافی مانگی اور آئندہ کسی کو بھی نقصان نہ پہنچانے کا تہیہ کر لیا۔

☆......☆......☆

کام کی باتیں

☆ کام سے غلطی، غلطی سے تجربہ، تجربے سے عقل، عقل سے خیال اور خیال سے نئی چیزیں وجود میں آتی ہیں۔ ☆ طنز وہ آئینہ ہے جس میں دیکھنے والا اپنے سوا ہر کسی کے چہرے کو دیکھتا ہے۔ ☆ برائی جیت تو سکتی ہے لیکن برائی کے نصیب میں جشنِ فتح نہیں ہوتی۔ ☆ علم خرچ کرنے سے بڑھتا ہے، کم نہیں ہوتا۔ ☆ آزاد خیال ہونا کوئی بری بات نہیں لیکن آوارہ مزاج ہونا بری بات ہے۔

آخری ریل

وجیہہ عمران

ریل کی پٹری پر دھواں چھوڑتی ایک ریل اسٹیشن میں داخل ہو رہی تھی۔

یہ وہی ریل تھی جو آزادی کے وعدے پر روانہ ہونے والی تھی۔ زمین دو حصوں میں بٹ رہی تھی، لیکن دل ہزاروں ٹکڑوں میں۔ ہوائیں بارود کی بو لے کر چلتی تھیں۔ دھوئیں سے بھرے آسمان کے نیچے راکھ ہوتی ہوئی بستیاں اور انسانی لاشوں کا بکھرا ہوا منظر تھا۔

ایک کمسن لڑکی، جو شاید ابھی جوانی کی دہلیز پر تھی، ننگے پاؤں خون آلود زمین پر دوڑ رہی تھی۔ اس کے ارد گرد پڑی لاشیں، ٹوٹے ہوئے گھر اور آگ میں لپٹے مکان تھے۔ اس کے پیچھے مردوں کا ہجوم تھا، جن کے چہروں پر غصے کے آثار، ہاتھوں میں لاٹھیاں اور آنکھوں میں نفرت تھی۔

عبیر شاید بیس اکیس سال کی تھی۔ اس کے ہاتھ میں ماں کی چادر کا پھٹا ہوا کونہ اور آنکھوں میں ابھی تک جلتے ہوئے گھر کا عکس تھا۔ صبح اس کے گاؤں پر حملہ ہوا تھا۔ ظالموں نے اس کے گھر کو آگ لگا دی تھی۔ عبیر تو بس ماں کو ڈھونڈ رہی تھی، جو ایک کونے میں جلتے گھر کے نیچے دب گئی تھی۔

عبیر اس جلتے گھر کی جانب بڑھ رہی تھی کہ کسی کا ہاتھ اس کے کندھے پر تھا۔ جیسے اسے روکنے کی آخری کوشش ہو یا شاید گھسیٹ کر لے جانے کی۔ لیکن عبیر کی آنکھیں صرف اپنی ماں کو ڈھونڈ رہی تھیں۔

اس کا بھائی علی آخری لمحے میں اسے گھسیٹ کر باہر لایا اور بولا۔

”عبیر! بھاگ!“

وہ آنسو بھری آنکھوں کے ساتھ اپنے بھائی کے ہمراہ دوڑتی گئی۔ لیکن اس کا بھائی وہیں کہیں پیچھے رہ گیا، یا شاید وہ بھی ظالموں کے ہاتھوں مارا گیا، اور عبیر دوڑتی رہی۔ لوگوں نے کہا۔

”ریل پکڑلو! پاکستان جانا ہے۔ وہی اب ہمارا ملک ہے۔“

اب عبیر اسٹیشن پر کھڑی تھی۔ اس کے والد، ماں اور بھائی سب ظالموں کے ہاتھوں بچھڑ گئے تھے۔ ٹرین آچکی تھی، لوگ ایک دوسرے کو دھکیل رہے تھے۔

ایک لمحے کے لیے عبیر کی آنکھیں ٹرین کی کھڑکی پر جا ٹھہریں۔ ریل کے ڈبوں میں کچھ لوگ شاید زندہ تھے، کچھ لاش بن چکے تھے، اور کچھ بس آنکھوں میں پچھتاوا لیے جھانک رہے تھے۔ کیا یہ وہی آزادی تھی جس کے لیے لاکھوں خوابوں کی قربانی دی جا رہی تھی؟

کسی نے عبیر کو زور سے دھکا دیا۔ وہ لڑکھڑائی، زمین پر گرنے ہی والی تھی کہ ایک شخص کی آواز سنائی دی۔

”یہ کس کی لڑکی ہے؟“

”یہ شاید سکھ ہوگی، چھوڑ دو!“ دوسرا ظالم بولا۔

”نہیں، یہ تو ہندو لگتی ہے، ماتھے پر نشان دیکھو!“

عبیر کے بھائی نے گاؤں سے نکلتے ہوئے اس کے ماتھے پر خون سے سرخ تلک لگا دیا تھا۔ امید تھی کہ شاید یہ سرخ دھوکہ اسے بچالے، شاید ظالم اسے ہندو سمجھیں گے اور گزر جائیں گے۔ مگر عبیر کی لرزتی سانسیں، آنکھوں میں چھپی چیخیں، اور کپکپاتے ہونٹ ظالموں کے دل پر نہیں، ان کے شک پر اثر انداز ہوئے۔

عبیر نے دوڑ لگائی۔ پاؤں میں چپل نہ تھی، زمین پر بکھرے نوکیلے پتھر اُس کے نازک تلووں کو چیرتے گئے، مگر وہ بھاگتی رہی۔ آگے ٹرین تھی، آخری امید۔ سینکڑوں لوگ اس پر سوار ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔

عبیر نے ریل کی سیڑھی پر پاؤں رکھا

اور ہاتھ آگے بڑھایا کہ شاید کوئی تھام لے، کوئی بچا لے۔ مگر کسی نے اُس ہاتھ کو نہ پکڑا۔ شاید کسی نے دیکھا ہی نہیں، یا شاید ہر ہاتھ صرف اپنی جان بچا رہا تھا۔

عبیر کا وجود زمین پر آ گرا۔ گرد اُڑی، ریل کی سیٹی بجی، اور وہ لمحہ جیسے ساکت ہو گیا۔ دھواں چھا گیا، کالا، گھنا، سب کچھ نگلتا ہوا۔ ریل دور ہوتی گئی، اور عبیر پیچھے رہ گئی۔ زمین پر اکیلی، زخمی اور خاموش۔

عبیر نہ پاکستان پہنچی نہ ہندوستان میں رہی۔ وہ تقسیم کے درمیان ہمیشہ کے لیے کھو گئی۔

یہ کہانی صرف عبیر کی نہیں بلکہ ہر اُس بے گناہ مسلمان کی ہے جو آزادی کی خاطر نفرت اور سیاست میں روند دیا گیا۔

یہ وہی ریل تھی جو کل تک لوگوں کو روزگار، تعلیم اور رشتوں تک لے جاتی تھی، لیکن واپسی پر صرف لاشیں، آنسو اور چیخیں ساتھ لائی تھی۔ وہ لاشوں والی ریل تھی۔ ظلم کی آگ نے لوگوں کو جلا کر راکھ کر دیا تھا۔ لاشیں بھی ایسی کہ پہچان ممکن نہ تھی، کٹی گردنیں، جلے ہوئے جسم، اور چپ ہوتے لب۔ خاموش، ساکت، سرد لاشیں۔

کیا یہ آزادی کا سفر تھا؟

یا ایک ایسا زخم، جو نسلوں کو ورثے میں ملا؟

آزادی کے سفر نے صرف جسم نہیں جلائے تھے۔ دل، رشتے، پہچان، ایمان سب کچھ جلا کر راکھ کر دیا تھا۔

ہم آج جتنا چاہیں اپنے ملک کو کوسیں، اپنی حکومت کی نااہلی پر ماتم کریں، اپنی سیاست کو زہر کہیں، لیکن جب ہم آزادی کا جشن مناتے ہیں، جب چودہ اگست پر پرچم بلند ہوتے ہیں، تو ہمیں اُن ماؤں کے خالی آنگن یاد آتے ہیں جن کے بیٹے ٹرینوں سے واپس نہ لوٹے۔ ان بہنوں کی سسکیاں سنائی دیتی ہیں جن کی عزتیں لوٹ لی گئیں۔ اُن بچوں کے روتے چہرے ذہن میں اُبھر آتے ہیں جن کے ماں باپ پلیٹ فارم پر قتل ہو گئے۔ اور اُن باپوں کا فیصلہ یاد آتا ہے جنہوں نے عزت بچانے کی خاطر اپنے ہی ہاتھوں سے اپنی بہنوں اور بیٹیوں کی گردن کاٹ دی۔

یہ تاریخ کا ایک دردناک لمحہ تھا۔

کیا یہ آخری لمحہ تھا؟

ریل تو آخری تھی، مگر ظلم کا سفر ابھی جاری ہے۔آج بھی دنیا کے کئی کونے ایسے لمحوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ آج بھی ماؤں کی گودیں اُجڑتی ہیں، بچے یتیم ہوتے ہیں، اور بے گناہ مسلمانوں پر ظلم ہو رہا ہے۔ آج بھی بے بسی آنکھوں سے ٹپکتی ہے، اور آزادی ایک خواب جیسی محسوس ہوتی ہے۔ آج بھی ہر روز کوئی نہ کوئی سرزمین لہو سے رنگی جارہی ہے۔آج بھی ہر روز کوئی ماں بیٹے کو دفناتی ہے، کوئی باپ لاش ڈھونڈتا ہے، کوئی بہن آخری سلام کرتی ہے۔

ہم خوش نصیب ہیں کہ ہمیں آزادی ملی، لیکن یہ خوش نصیبی ان قربانیوں کے بعد آئی۔ ہم خوش نصیب ہیں کہ ہمیں ایک آزاد وطن ملا۔ ہم آزاد فضاؤں میں سانس لیتے ہیں، لیکن یہ سانسیں مفت میں نہیں ملیں۔ یہ سانسیں شہیدوں کے لہو سے، ماؤں کے آنسوؤں سے، اور ایک پوری قوم کی قربانی سے خریدی گئی ہیں۔

آزادی کا مطلب صرف جھنڈا لہرانا نہیں ہوتا۔ یہ صرف ایک دن کا جشن، رنگ برنگی روشنیوں یا ترانوں کا شور نہیں ہے۔ آزادی قربانیوں کی ایک لازوال داستان ہے۔ ہمیں آزادی کا جشن ضرور منانا ہے، لیکن صرف جھنڈا لہرا کر نہیں بلکہ ان سچے لمحات کو یاد کر کے جو تاریخ کے اوراق میں دفن ہو چکے ہیں۔

اس زمیں کی مٹی میں خون ہے شہیدوں کا
ارضِ پاک مرکز ہے قوم کی امیدوں کا

ہمیں تاریخ پڑھنے کی اشد ضرورت ہے۔ اس آزادی کے مہینے میں ہم اپنی اصل تاریخ پڑھیں، ان لمحات کو محسوس کریں، ان صدموں کو یاد کریں اور ان دعاؤں کا شکر ادا کریں جن کی بدولت ہم آج کھلے آسمان کے نیچے آزاد سانس لے رہے ہیں۔

اقبالؒ نے کہا تھا:

نہیں ہے نا امید اقبال اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

اب بھی شاید کسی ویران سرحد پر، کسی سنسان پلیٹ فارم پر، ہوا میں وہ دھواں گھومتا ہے۔سیٹی کی بازگشت سنائی دیتی ہے۔

دانش کدہ

جہاں امام العقلاء، شاہ نُبلاء بوجھ بجھکڑ آپ کی مشکلات کے جواب دیتے ہیں

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

سوال: وہ کون سی چیز ہے جو پانی پینے سے مرجاتی ہے؟

جواب: ہر وہ چیز جو زہر ملا ہوا پانی پی لے۔

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

سوال: وہ کون سی چیز ہے جو کھانے کے لیے لائی جاتی ہے لیکن کھائی نہیں جاتی؟

جواب: مرغی کے لیگ پیس کے اندر کی ہڈی۔

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

سوال: آپ نے کبھی سوچا ہے اگر پنکھے اُلٹا گھومنے لگیں تو ہوا کہاں جائے گی؟

جواب: ہوا کہیں نہیں جائے گی، ہوا میں ہی رہے گی۔

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

سوال: چائے بغیر بسکٹ کے پینا، یہ بدتمیزی میں آتا ہے یا غریبی میں؟

جواب: یہ بالکل ویسی ہی حرکت شمار ہوگی جیسے بسکٹ بغیر چائے کے کھانا۔

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

سوال: اگر ہنسنے سے پیسے ملتے تو آپ امیر ہوتے یا مقروض؟

جواب: شاید پاگل ہوتے۔

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

سوال: وہ کون سا سوال ہے جس کا جواب آپ ہاں میں نہیں دے سکتے؟

جواب: آپ کھانا تو کھا کر آئے ہوں گے؟

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

سوال: اگر آپ اپنے محل میں بیٹھ بیٹھ کر بور ہو جاتے ہیں تو میرے پاس کام ہے میں آپ کو کام پر لگا دوں گا آپ اپنی قابلیت بتائیں تاکہ اس حساب سے آپ کو کام دیا جائے۔

جواب: میرے پاس بے حساب کام ہے، آپ حساب والا کام اپنے پاس رکھیں۔

جناب بوجھ بجھکڑ صاحب!

سوال: میں یہ سوچ رہا تھا کہ آپ اتنے اوپر اکیلے رہتے ہیں تو سوچا آپ کے محل کے ساتھ کوئی گھر دیکھ لوں، اگر آپ کی نظر میں ہو تو بتائیے گا۔

جواب: گھر زمین پر ہوتا ہے نظر میں نہیں۔

☆......☆......☆

وہ کون تھے؟؟؟

شمارہ ماہ صفر المظفر کے انعام یافتہ

محمد حسنین فیصل آباد

درست جواب ارسال کرنے والے دیگر قارئین

محمد حبیب اللہ، لاہور۔ اسماء شوکت، ساہوال۔ ام حبیبہ، اوکارہ۔ حافظہ طوبیٰ، مردان بنت کلثوم، پشاور۔ خدیجہ شاہد، کوٹلی۔ نسیمہ، میانوالی۔ قارہ عباس، گھوٹکی۔ ہمشیرہ محمد شبیر، اسلام آباد۔ بنت نورولی، کوہاٹ۔ بنت قاری شاہد حسنین، سوات۔ محمد الیاس، پنڈی۔ محمد حذیفہ، بہاولپور۔ حافظ عبدالباسط، مانسہرہ۔ ابرار قریشی، کراچی۔ محمد انس، ملتان

وہ کون تھے؟؟

مجاہد بن محمد رحمانی

ان کا تعلق بنو اسد سے تھا۔ ان کی کنیت ابو یحیٰ جبکہ ایک روایت کے مطابق ابو ایمن بیان ہوئی ہے۔ وہ اپنے بھائی کے ہمراہ غزوۂ بدر میں بھی شریک ہوئے تھے۔

ان کے اسلام لانے کا واقعہ بھی حیرت انگیز اور دلچسپ ہے۔ وہ اپنے اسلام قبول کرنے کا واقعہ خود بیان کرتے ہیں۔ ان کی روایت ہے کہ میرے اونٹ گم ہو گئے تھے۔ میں اپنے اونٹوں کو ڈھونڈنے نکلا، اونٹوں کے قدموں کے نشانات کا پیچھا کرتے کرتے رات ہوگئی۔ وہ نشانات مجھے اَبرَقُ العَزّاف تک لے گئے۔ یہ بنو اسد بن خزیمہ کے پانی پینے کی مشہور جگہ کا نام ہے جو مدینہ سے بصرہ کے راستے پر ہے۔ وہاں جا کر میں نے اونٹوں کو پالیا۔ میں نے انہیں وہیں باندھ دیا اور ان میں سے ایک اونٹ کی ران کے ساتھ ٹیک لگا کر لیٹ گیا۔ رات دھیرے دھیرے گزرنے لگی۔ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے ابتدائی زمانے کی بات ہے۔ اس زمانے میں ایک رواج تھا کہ سفر کے دوران جس اجنبی جگہ لوگ رات گزارتے تو وہاں بلند آواز سے کہتے کہ میں اس وادی کے سردار کی پناہ میں آنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ وہ صحابی بتاتے ہیں کہ میں نے بھی بلند آواز سے کہا کہ میں اس وادی کے سردار کی پناہ مانگتا ہوں۔ جیسے ہی انہوں نے یہ الفاظ کہے، اچانک ایک پکارنے والے نے مجھے آواز دی اور یہ دو اشعار پڑھے۔

ترجمہ: ''اے نوجوان تیرا بھلا ہو تُو اللہ ذوالجلال کی پناہ مانگ جو حرام اور حلال کا نازل کرنے والا ہے۔ اللہ کی توحید کا اقرار کر پھر تجھے جنّات کی آزمائشوں کی کوئی پروا نہیں ہو گی۔ جب تُو اللہ کو یاد کرے گا تو کئی میلوں اور زمینوں اور پہاڑوں کی پنہائیوں میں جنّات کا مکرنا کام ہو جائے گا سوائے تقویٰ والے شخص کے اور نیک اعمال کے یعنی نیکیاں جاری رہیں گی۔ کوئی برائی نہیں آئے گی۔''

وہ کہتے ہیں کہ میں نے جواباً شعر پڑھ کر جواب دیا اور کہا:

''اے پکارنے والے! تو جو کچھ کہہ رہا ہے کیا تیرے نزدیک وہ ہدایت کی بات ہے یا تُو مجھے گمراہ کر رہا ہے؟''

اس نے پھر اشعار پڑھے اور کہا:

''یہ اللہ کے رسول ہیں بھلائیوں والے ہیں۔ یٰس اور حٰمیمات لے کر آئے ہیں اور اس کے بعد مُفَصَّلات سورتیں بھی لائے ہیں جنہوں نے ہمیں یہ ساری باتیں بتائی ہیں اور جو بہت ساری چیزوں کو حرام قرار دینے والے ہیں اور بہت ساری چیزوں کو حلال قرار دینے والے ہیں۔ وہ نماز اور روزے کا حکم دیتے ہیں اور لوگوں کو ان برائیوں سے روکتے ہیں جو گذشتہ دنوں کی برائیاں لوگوں میں موجود تھیں۔ یہ ان کو جواب ملا کہ اس طرح ہمیں توحید کا اعلان پتا لگا ہے اس لیے ہم کہتے ہیں۔''

وہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا:

''اللہ تجھ پر رحمت کرے تم کون ہو؟''

اس نے کہا:

''میں مَلِک بن مَالِک ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے اہلِ نجد کے جن یعنی سرداروں پر مقرر کر کے بھیجا ہے۔''

وہ کہتے ہیں کہ میں نے کہا:

''اگر میرے لیے کوئی ایسا شخص ہوتا جو میرے اونٹوں کی کفالت کرتا، تو مَیں ضرور اس رسولؐ کے پاس جاتا، یہاں تک کہ اس پر ایمان لے آتا۔''

مَلِک بن مَالِک نے کہا:

''میں تمہارے اونٹوں کی ذمہ داری لیتا ہوں یہاں تک کہ میں انہیں تیرے اہل تک ان شاء اللہ صحیح سلامت پہنچا دوں گا۔''

کہتے ہیں کہ میں نے ان میں سے ایک اونٹ تیار کیا اور اس پر سوار ہو کر مدینہ آ گیا۔ باقی اونٹ ان کے سپرد کر دیے۔ میں ایسے وقت میں پہنچا کہ جب لوگ نمازِ جمعہ میں مصروف تھے۔ جمعہ کا وقت تھا تو میں نے سوچا یہ لوگ نماز پڑھ لیں پھر میں اندر جاؤں گا کیونکہ میں تھکا ہوا تھا لہٰذا میں نے اپنی سواری کو بٹھا دیا۔ جب حضرت ابو ذرؓ باہر نکلے تو انہوں نے مجھے کہا:

"رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں کہ اندر آ جاؤ!"

پس میں اندر آ گیا۔ جب آپ ﷺ نے مجھے دیکھا تو فرمایا: "اس بوڑھے شخص کا کیا بنا جس نے تمہیں ضمانت دی تھی کہ تمہارے اونٹ صحیح سلامت تمہارے گھر پہنچا دے گا۔ اس نے تمہارے اونٹ تمہارے گھر صحیح سلامت پہنچا دیے ہیں؟"

وہ کہتے ہیں کہ یہ سن کر میں نے کہا:

"اللہ اس پر رحم کرے۔"

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"ہاں اللہ اس پر رحم کرے۔"

تب وہ کلمہ شہادت پڑھ کر مسلمان ہو گئے۔

اسلام لانے سے پہلے شلوار ٹخنوں سے نیچے رکھتے تھے اور سنت حد سے لمبے بال بھی رکھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ تشریف لائے اور ان سے فرمایا:

"اگر تم میں دو باتیں نہ ہوتیں تو تم بہت اچھے شخص ہوتے۔"

انہوں نے کہا:

"میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں وہ دو باتیں کون سی ہیں یا رسول اللہ؟"

آپ ﷺ نے فرمایا:

"تمہارا اپنے بال بڑھانا اور اپنی شلوار یا چادر ٹخنوں سے نیچے لٹکانا۔"

یہ سن کر وہ گئے اور اپنے بال کٹوا دیے اور اپنا ازار (شلوار یا چادر) چھوٹا کر دیا۔

حضرت عمرؓ کے زمانے میں وہ شام کی فتوحات میں شریک ہوئے تھے۔

شام کے شہر رقہ میں سکونت اختیار کر لی تھی اور وہیں آپ کی وفات ہوئی۔

وہ کون تھے شمارہ صفر المظفر کا درست جواب: حضرت امامہ بنت زینب رضی اللہ عنہا

اور وہ لوٹ آئی

تحریر: آسیہ محمود

’’مما... مما... کہاں ہیں آپ؟‘‘

وسیم بے چینی سے فائزہ کو تلاش کرتے پکار رہا تھا۔

’’ارے! کیا ہو گیا، وسیم؟ کیوں پریشان ہو رہے ہو؟ یہاں ہوں، کچن میں۔‘‘

وسیم بھاگتا ہوا آیا اور ماں کا ہاتھ پکڑ کر ڈرائنگ روم کی طرف کھینچنے لگا۔

’’مما! یہ کیا ہے؟ آپ نے کہا تھا آنی آئیں گی، وہ رکیں گی، ہم کیرم کھیلیں گے، رات باہر ڈنر کریں گے، اور پھر لاسٹ میں نئی مووی دیکھیں گے... مگر آنی تو جا رہی ہیں!‘‘

یہ کہتے ہی وسیم رونے لگ گیا۔

’’اچھا! آپ روئیں نہیں، میں دیکھتی ہوں۔‘‘

فائزہ نے چائے اور لوازمات ٹرالی میں رکھے اور ڈرائنگ روم کی طرف چل دی۔ دیکھا تو فاطمہ برقعہ پہنے جانے کے لیے تیار تھی۔

’’ارے فاطمہ! تم تو رکنے آئی ہو، پھر یہ کیا؟‘‘ فائزہ نے حیرت سے کہا۔

’’چلو! برقعہ اتارو! شاباش! تم کہیں نہیں جاؤ گی۔ آج وسیم سے کیے گئے

سارے وعدے پورے کریں گے۔''

فائزہ نے مسکراتے ہوئے وسیم کے گال تھپتھپائے۔

''جی آنی! آپ کہیں نہیں جا رہیں۔'' وسیم بھی خوش ہو کر بولا۔

وسیم نے فاطمہ کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے بازو پھیلا دیے۔ اپنے تئیں اس نے گویا راستہ بلاک کر دیا۔ اس کی اس حرکت پر دونوں بہنیں ہنس پڑیں۔

چائے پیتے ہوئے فاطمہ نے فائزہ کو بتایا، ''بات دراصل یہ ہے، فائزہ، آج جمعرات ہے اور مجھے ایک وظیفہ پڑھنا ہے۔''

''کیسا وظیفہ؟'' فائزہ نے حیرت سے پوچھا۔

''وہ نا، ناعمہ کو تو جانتی ہو؟'' فاطمہ بولی۔

''اس نے مجھے بتایا ہے کہ جو جمعرات کو یہ وظیفہ پڑھے گا، اسے خواب میں نبی محترم ﷺ کی زیارت ہوگی۔ تو ہم دونوں نے پروگرام بنایا ہے پڑھنے کا۔ تم وسیم کو کسی طرح بہلا دو، ہم پھر کبھی چلے جائیں گے۔'' فاطمہ لجاجت سے بولی۔

فائزہ فاطمہ کی بات سن کر کانپ کر رہ گئی۔

''زیارت... اور ہم؟'' اس نے جھرجھری لی۔

''ہائے ایوری بڈی... اوہ! چائے ساتھ سینڈوچ، وہ بھی باجی فائزہ کے ہاتھ کے... واہ! مزہ آجائے گا۔'' اویس ٹرالی میں رکھی چیزوں کو دیکھ کر بولا۔

''یہ وسیم کہاں ہے؟ آپ برقعہ پہن کر کہاں تیار ہو رہی ہیں؟'' اویس نے فاطمہ کو سوالیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

اتنے میں وسیم اندر آیا اور اپنے پسندیدہ ماموں کو دیکھ کر ایک زوردار چیخ ماری۔

''اب آئے گا ڈبل مزہ! اویس ماموں بھی آگئے!'' وسیم خوشی سے جھومنے لگا۔

''میں تو تم لوگوں کو لینے آیا ہوں۔'' اویس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''سچ، ماموں؟'' وسیم کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں اور مونہہ خوشی سے کھل گیا۔

''یس، گڈ بوائے! مجھے پتا چلا صفدر

بھائی آؤٹ آف کنٹری ہیں اور تمہارے اسکول کی چھٹیاں ہیں، تو میں نے سوچا کیوں نہ موقع سے فائدہ اٹھایا جائے۔''

''یے ے ے ے ے، ماموں زندہ باد!'' وسیم کی خوشی کی انتہا نہ رہی۔

''چلیں، آپی! آپ تیار ہوں، میں ذرا وسیم کے ساتھ کیرم کھیل لوں۔''

''شکر ہے مالک... کہتے ہیں لگن سچی ہو تو راستہ خود ہی بن جاتا ہے۔'' فاطمہ مسکرا دی۔

فائزہ پھیکی سی ہنسی کے ساتھ اٹھی اور گھر سمیٹ کر تیار ہونے لگی۔ اسے سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اچانک سے دل پر یہ بوجھ سا کیوں آ گیا ہے۔

خیر، وہ میکے روانہ ہوئی۔ سارے راستے وسیم اور اویس کی نوک جھونک نے سفر کو خوشگوار بنائے رکھا، مگر فائزہ کا دل ہنوز اسی کیفیت میں جکڑا رہا۔

گھر پہنچے تو ڈنر تیار تھا۔ کھانا کھا کر سب باتوں میں لگ گئے۔ اویس بچوں کو آئسکریم کھلانے لے گیا۔

''السلام علیکم!'' ابو کی رعب دار آواز گونجی۔

''وعلیکم السلام!''

''کیا باتیں ہو رہی ہیں؟'' ابو جی نے شفقت سے بہو بیٹیوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''کچھ بھی نہیں ابو، بس ویسے ہی... آپ کی طبیعت کیسی ہے؟'' فائزہ نے پوچھا۔

''الحمدللہ، بیٹا!'' فضل الٰہی صاحب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

اتنے میں ثناء قہوہ لے آئی۔

''ماشاءاللہ، جزاک اللہ بیٹا!'' فضل الٰہی صاحب نے ثناء کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے قہوہ کا کپ لیا۔

اسی دوران بچے اور اویس بھی واپس آ گئے۔ سب سونے کے لیے اٹھنے لگے تو اویس نے مووی لگا دی۔ فاطمہ بھی آ گئی، سب انجوائے کرنے لگے۔

فائزہ اگرچہ سب کے درمیان تھی، مگر گویا نہ تھی۔ ایک کرب تھا جو اس کے دل کو مٹھی میں لیے ہوئے تھا۔ وہ بے چینی سے مووی ختم ہونے کا انتظار کر رہی تھی۔

رات 3 بجے مووی ختم ہوئی۔ سب

اونگھتے ہوئے اپنے اپنے روم میں چلے گئے۔ فائزہ فاطمہ کے کمرے میں آگئی اور وسیم اویس کے ساتھ سونے چلا گیا۔

فاطمہ لیٹتے ہی سو گئی، مگر فائزہ کی آنکھوں سے نیند کوسوں دور تھی۔ جب کمرے کا پرسکون ماحول بھی نیند لانے میں کامیاب نہ ہوا تو وہ آہستہ سے اٹھی اور گیلری میں آکھڑی ہوئی۔

آسمان کی طرف دیکھا تو لگا، چاند اس سے گفتگو کے لیے بے تاب ہے۔ مگر آج فائزہ نے چاند سے معذرت کی، کیونکہ اسے خود سے سوال کرنے تھے۔

وہ کمرے میں واپس لوٹ آئی۔ ایزی چیئر پر بیٹھ کر خود کو پرسکون کرنے کی کوشش کرنے لگی، مگر سکون تو اندر ہوتا ہے۔ جب دل ہی میں سکون نہ ہو تو اردگرد کی آسائش کیا سکون دے گی بھلا؟

جب سے فاطمہ نے نبی علیہ السلام کے دیدار کی خواہش کا اظہار کیا تھا اور اسے بھی وظیفہ پڑھنے کی دعوت دی تھی، تب سے اس کے اندر ایک بے کلی نے جنم لیا۔ اس کے ضمیر نے اسے جھنجھوڑتے ہوئے سوال کیا:

''کیا وہ اس قابل تھی کہ اس سعادت کو حاصل کرنے کی کوشش کرے؟ کیا میری یہ گنہگار آنکھیں...؟''

اس سوچ کے آتے ہی اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

''ان آنکھوں سے گناہ کرتی رہی ہوں اور... اور... اب یہ آنکھیں اس قابل رہ گئی ہیں کیا؟''

فائزہ اٹھی اور تیزی سے جائے نماز اٹھائی اور سجدے میں جا گری۔

''اللہ... اللہ...'' درد کی شدت سے لفظ ٹوٹ رہے تھے۔

کچھ دیر رونے سے جب دل کا غبار چھٹا تو اس نے سر سجدے سے اٹھایا اور ہاتھ فضاء میں بلند کر کے پھیلا دیے۔

''اللہ جی! تیری گنہگار بندی تجھ سے معافی کی طلب گار ہے۔ اللہ جی! میرا گناہ بہت بڑا ہے، کہاں وہ ذات...'' اس کے تصور سے ہی اس کی آنکھوں سے تھما ہوا آنسو کا سیلاب دوبارہ جاری ہو گیا اور زبان گنگ ہو گئی۔ کچھ دیر رونے کے بعد اس نے ہچکیوں میں ہی سلسلہ کلام پھر سے جوڑا:

"اللہ جی! میں کیسے حوض کوثر پر ان سے مل پاؤں گی؟ مجھ گنہگار کے پاس توبہ کے سوا کوئی راستہ نہیں۔ اللہ جی! میرے گناہ معاف فرما، میری توبہ قبول فرما!

ربا! میں جانتی ہوں، اور تو مجھ سے بہتر جانتا ہے، جو عزم شرعی پردہ کا میں کر چکی ہوں، وہ اس ماحول میں آگ پر چلنے کے مترادف ہے۔ مگر، ربا! مجھے تیری رضا کی طلب ہے۔ مجھے سونہڑے نبی ﷺ کے ہاتھوں حوض کوثر پینا ہے۔ مجھے خود کو ان کا امتی، سچا امتی بنانا ہے۔ قیامت کی شرمندگی سے بچنا ہے۔ جب تک تیری مدد شامل حال نہ ہوئی، تو میں عمل نہ کر پاؤں گی۔"

دعا ختم کر کے اٹھی تو لگا اس کا سینہ ٹھنڈا ہو گیا ہے۔ سامنے لگے فریم میں "اللہ" کا نام مسکرا رہا تھا۔

حضور ﷺ کی ولادت پر ہونے والے معجزات

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ کی ولادت کے سلسلے میں آیات و کرامات بے شمار ہیں جن میں سے چند ایک یہ ہیں کہ ایوان کسریٰ لرز اٹھا اور اس کے چودہ کنگرے گر گئے اور دریائے سادہ خشک ہو گیا اور اس کا پانی زیر زمین چلا گیا اور رود خانہ سادہ جسے وادی سادہ کہتے ہیں جاری ہو گیا حالانکہ اس سے قبل اسے منقطع ہوئے ایک ہزار سال گزر چکا تھا اور فارسیوں کا آتش کدہ بجھ گیا جو کہ ایک ہزار سال سے گرم تھا۔ (مدارج النبوۃ: جلد ۲ ص ۲۷)

آرٹ گیلری

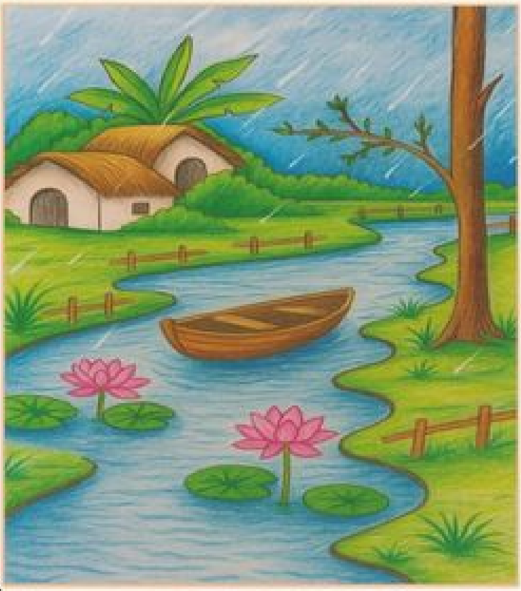

تہمینہ آرٹ گیلری

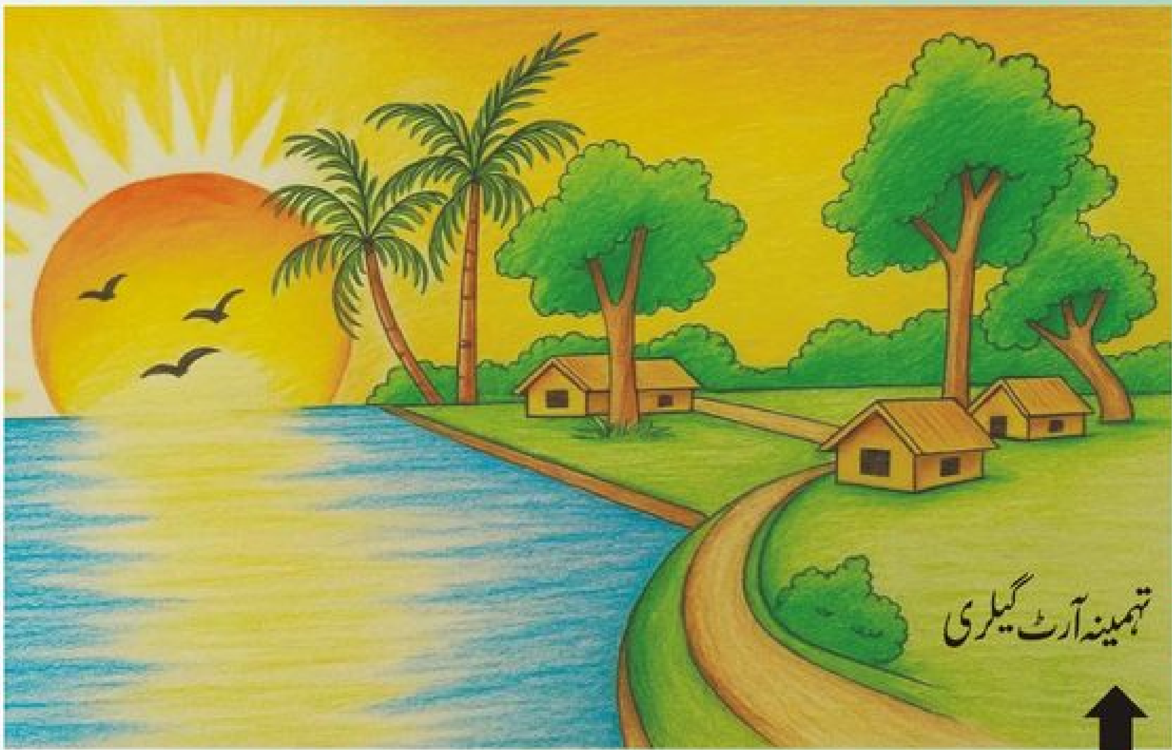
تہمینہ آرٹ گیلری

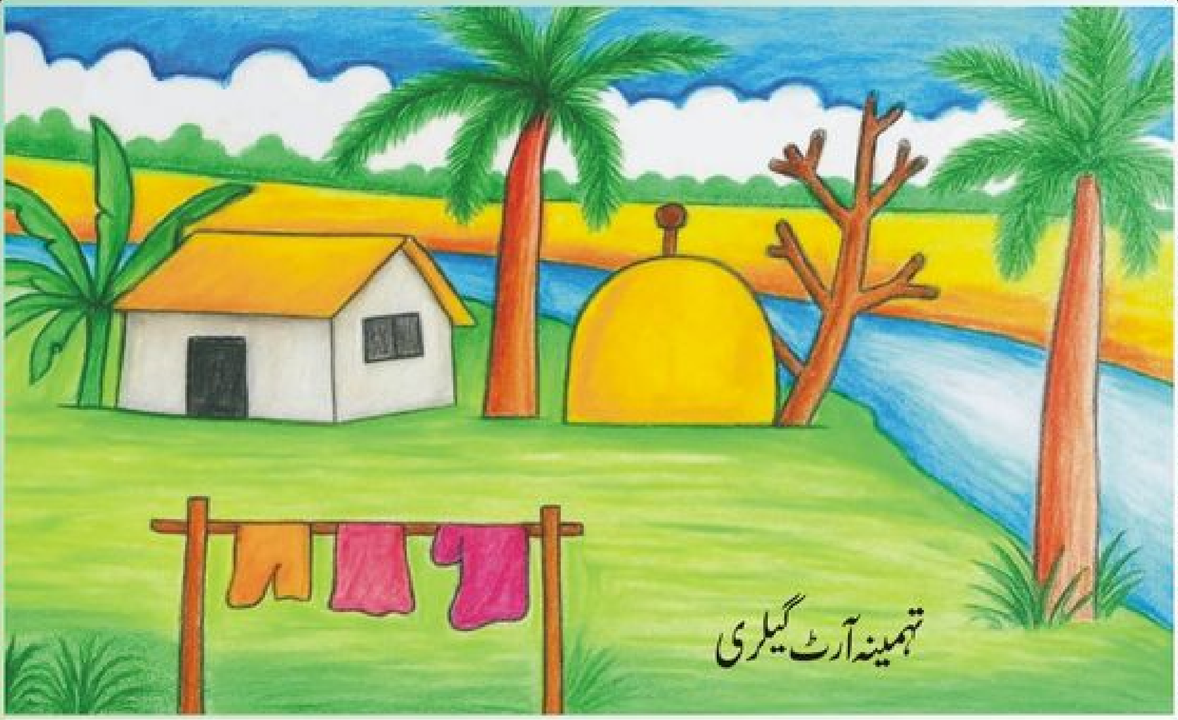
تہمینہ آرٹ گیلری

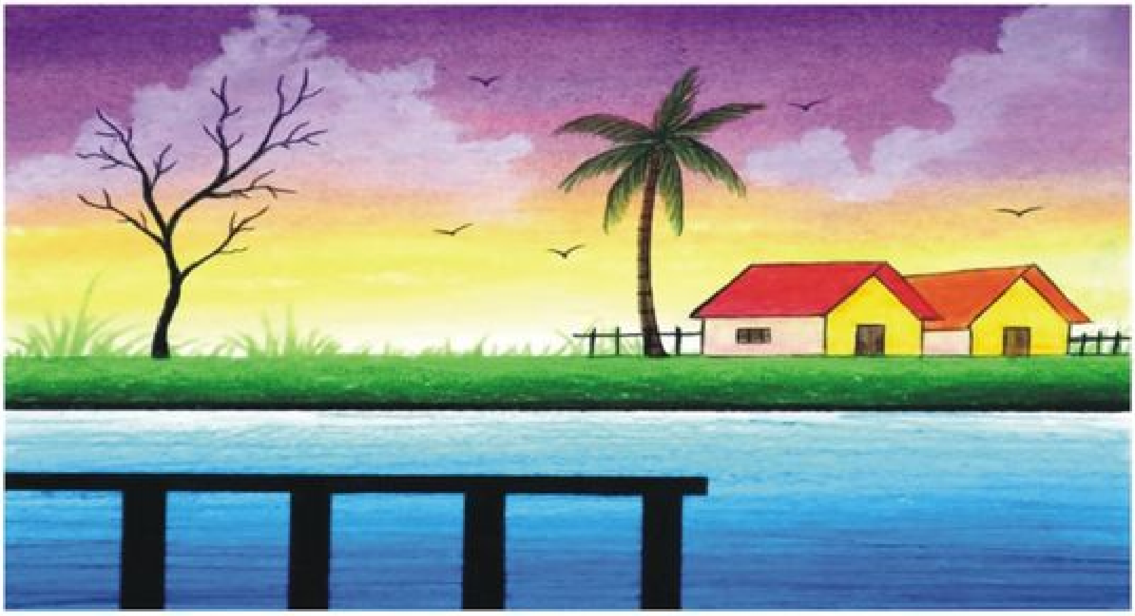

تہمینہ آرٹ گیلری

سبحان اللہ مسجد کے علم بردار زندہ ہیں

گل گلزار تازہ ہیں ، در و دیوار زندہ ہیں
سبحان اللہ مسجد کے علم بردار زندہ ہیں

ہمیں معلوم ہے تم مسجدوں سے بیر رکھتے ہو
سنو اے بزدلو! اس گھر کے چوکیدار زندہ ہیں

مسل کر شاخ کی نوخیز کلیاں کیا سمجھتے ہو
ابھی اس مشن مسعود کے غم خوار زندہ ہیں

خزاں نے پر تو پھیلائے تھے تھوڑی دیر کو لیکن
وفا کی شاخ پر موجود برگ و بار زندہ ہیں

بزعمِ خویش تم جن کو مٹا بیٹھے ہو ، سن رکھو
مساجد کے مدارس کے وہ پہریدار زندہ ہیں

جو حق کے پاس جا پہنچے اُٹھائے جان کے ٹکڑے
وہ رب کے پاس آسودہ مَعَ الْاَبْرَار زندہ ہیں

سنو یارو! میں اب بھی جیش کا ادنیٰ سا خادم ہوں
مِرے الفاظ تابندہ ، مِرے اشعار زندہ ہیں

گو مسبوقِ جماعت ہیں، مگر شامل صفوں میں ہیں
اَرے مُرشد! پُرانے آپ کے سب یار زندہ ہیں

نوید وامق انصاری